تصوف کا خلاصہ

بصورت

سوال و جواب

مصنف

سید شبیر احمد کاکاخیل

خلیفہ مجاز

حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مدنیؒ

حضرت سید نظیم الحق حلیمی صاحب مدظلہ

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ

خانقاہ امدادیہ، مکان نمبر 593/R9، وارڈ نمبر 10، اللہ آباد

ویسٹریج راولپنڈی۔ 0321-5289274

سوال: تصوف کیا ہے؟

جواب: .....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف کا خلاصہ

مصنف

سید شبیر احمد کاکاخیل

خلیفہ مجاز

حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مدنیؒ

حضرت سید تنظیم الحق حلیمی صاحب مدظلہ

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ

مسترشد

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ

خانقاہ امدادیہ، مکان نمبر 593/R9، وارڈ نمبر 10، اللہ آباد

ویسٹرج راولپنڈی۔ 0321-5289274

انتساب

اپنے شیخ حضرت مولانا محمد اشرفؒ صاحب سلیمانی

کے نام

جن کی شفقتوں کے باعث حضرت اقدسؒ

کا فیض اس کتاب کے ذریعے

قارئین تک پہنچ

رہا ہے۔

انتساب

اپنے شیخ حضرت **مولانا محمد اشرفؒ صاحب سلیمانی** کے نام جن کی شفقتوں کے باعث حضرت اقدسؒ کا فیض اس کتاب کے ذریعے قارئین تک پہنچ رہا ہے۔

تقریظ حضرت مولانا محمود اشرف صاحب مدظلہ

استاذ و مفتی دارالعلوم کورنگی کراچی

احقر کو محترم ومکرم جناب سید شبیر احمد کاکاخیل زید مجدہم کے رسالہ ''تصوف کا خلاصہ'' کے ابتدائی صفحات کا توجہ سے اور بقیہ صفحات کا سرسری انداز سے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ محترم زید مجدہم نے سوال اور جواب کی شکل میں تصوف اور سلوک کی اہم باتوں کو بہت آسان طریقہ سے بیان فرمایا ہے۔ امید ہے کہ اس کا مطالعہ بہت سارے حضرات کے لیے ہدایت اور بہت سے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ حق تعالیٰ اس رسالہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور مؤلف کو دارین میں اس کا اجر عظیم عطا کریں۔ آمین۔

احقر محمود اشرف غفرلہٗ
جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر 14
7-5-1422ھ

تقریظ مفتی محمد زہیر احمد مدظلہ

دارالافتاء جامعہ العلوم الشرعیہ ویسٹریج راولپنڈی

الحمد اللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

رب کریم کا خصوصی فضل واحسان بعض حضرات پر یوں ہوتا ہے کہ انہیں علوم دینیہ، فنون عصریہ جدیدہ اور تعلق مع اللہ کے ساتھ اللہ والوں کا اعتماد بھی حاصل ہوتا ہے۔ ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں سے ہمارے مخدوم ومکرم حضرت سید شبیر احمد شاہ صاحب مدفیوضھم بھی ہیں۔ فنون عصریہ و جدیدہ میں ان کی مہارت ایٹمی توانائی کمیشن اور رویت ہلال کمیٹی کی نسبت سے محتاج بیان نہیں اور علوم دینیہ کے ساتھ گہرا لگاؤ بھی اہل علم سے مخفی نہیں۔

حضرت سید شبیر احمد شاہ مدفیوضھم نے اپنے کالج کے زمانے میں محقق العصر، ولی کامل، مشفق ومربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور پھر یہ تعلق دن بدن ترقی کی جانب ہی بڑھتا گیا اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے فیوضات وملفوظات کو سمیٹتے رہے اور خدمت کے ذریعے ترقی کی منازل طے ہوتی رہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہمارے شیخ ومرشد صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کو سلاسل اربعہ میں بیعت کی اجازت سے نوازا۔ حضرت شاہ صاحب حضرت اقدس صوفی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم، حضرت حاجی فاروق صاحب سکھروی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ، حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ، حضرت مفتی مختار الدین شاہ صاحب مدظلہ اور دیگر کئی اکابر اولیاء اللہ کے منظور نظر بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو خصوصی تعلق ونسبت سے جو حصہ عطا فرمایا ہے اس کی بناء پر ان کی امت کے لیے تڑپ ہر جاننے والے کے لیے ظاہر وباہر ہے۔ جہاں پر آپ سے علوم جدیدہ کے حامل لوگوں کو استفادہ کا موقع حاصل ہے وہاں پر آپ سے مدارس دینیہ والے بھی مستفید ہو رہے ہیں اس سلسلے میں آپ کی تالیفات ''میراث کا حساب''، ''فهم الميراث مدلل'' اور ''فهم الفلكيات'' وغیرہ واضح ہیں۔

تصوف کے ساتھ آپ کا شغل اور عامۃ الناس میں اس کی محنت نے آپ کو اس موضوع پر بھی ایک عام فہم کتاب لکھنے کا موقع فراہم کیا جو کہ حاضر خدمت ہے۔ اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب نے تصوف کے مسائل کو سوال وجواب کی صورت میں بیان کیا ہے جو حاملین علوم جدیدہ اور طلبہ مدارس دینیہ کے لیے یکساں مفید ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس کتاب کو دیگر کتب کی طرح قبولیت عامہ نصیب فرمائے اور نافع عام فرمائے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاه النبی الکریم ﷺ اجمعین

فقط

محمد زہیر احمد

دارالافتاء جامعہ العلوم الشرعیہ

ویسٹرج راولپنڈی

تقریظ حضرت مفتی محمد اسماعیل طورو صاحب مدظلہ

رئیس دارالافتاء جامعہ اسلامیہ راولپنڈی

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

''تحقیق اللہ رب العزت نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ انہیں ایک رسول انہیں کی جنس سے بھیجا جو تلاوت کرتا ہے ان کے اوپر آیات اور ان کا تزکیہ (دلوں کی صفائی) کرتا ہے اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔''

اس طرح حدیث جبرائیل بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور حضور اکرم ﷺ سے سوالات کئے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے کلمہ شہادت، نماز، روزہ وغیرہ سے جواب دیا۔دوسرا سوال ہوا کہ احسان کیا ہے تو حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالی کی ایسی عبادت کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم میں یہ طاقت نہیں تو ایسا یقین کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

قرآن میں تلاوتِ قرآن اور قرآن اور سنت کی تعلیم کا ذکر آ گیا اور حدیث جبریل میں ایمان اور اسلام کا ذکر آ گیا جو پوری شریعت ہے۔تو یہ قرآن میں جو تزکیہ کا اور حدیث میں احسان کا جو ذکر ہے یہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تصوف اس کا دوسرا نام ہے۔ تزکیہ کہو، احسان اور سلوک کہو یا تصوف کہو سب ایک ہی چیز ہے یعنی دل کی صفائی۔ مراد دل سے امراض باطنی کا صاف کرنا اور نفس کی تربیت کرنا۔

حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف سلیمانی کے مسترشد اور حضرت صوفی اقبال صاحب مدنیؒ کے خلیفہ مجاز، محترم سید شبیر احمد کاکاخیل مدظلہ العالی کا بالمشافہ نوعیت کے سوالات و جوابات پر مشتمل رسالہ ''تصوف کا خلاصہ'' ایک شاہکار ہے۔اس موضوع پر آسان، دلچسپ، سمجھ میں آنے والی اور ہر ایک کے لیے یکساں، استفادہ کے قابل رسالہ کی اس دور میں اہم ضرورت تھی جس کے لکھنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے حضرت کو دی۔اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین

محمد اسمٰیل طورو

نزیل دارالافتاء جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

پیش لفظ

تصوف دل کو سنوارنے کا طریقہ ہے۔ نفس کے اندر جو رذائل ہوتے ہیں ان کی وجہ سے نہ صرف ایمان اور اعمال خطرے میں ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس کی وجہ سے جان بھی چلی جاتی ہے اور دنیا میں بے سکونی جیسی موذی بیماری سے انسان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کا واسطہ ہر انسان سے پڑتا ہے چاہے وہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ۔ شہری ہو یا دیہاتی۔ بالکل اسی طرح جیسے سب کو بیماری کی صورت میں علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جسمانی بیماری سے صرف جان کو تکلیف ہوتی ہے یا زیادہ سے زیادہ جان جا سکتی ہے لیکن روحانی بیماری سے روح اور جسم دونوں کو تکلیف ہوتی ہے اور دونوں جہانوں میں خسارہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں بنیادی باتوں کا جاننا ہر ایک کی اہم ضرورت ہے۔

تصوف پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن جیسے طب پر بے شمار کتابیں موجود ہونے کے باوجود اس پر نئے حالات کے مطابق جدید کتابوں کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اسی طرح تصوف پر بھی جدید حالات کے مطابق لکھنے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں اُس قاری کی ضرورت کا جس نے دینی کتابیں بہت کم پڑھی ہیں خیال رکھا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اس فن سے متعلق ضروری معلومات نہایت عام فہم انداز میں پیش کی جائیں تا کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قاری اس فن پر بڑی کتابوں کو سمجھنے کے قابل ہو سکے۔

بالمشافہ نوعیت کے سوال و جواب کا طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ اس سے قاری کو ایک نئی چیز کا تعارف آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد امور تصوف کا ایک خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں ضروری اصطلاحات کی تشریح دی گئی ہے۔ اس کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی لیکن اس طرف توجہ نہیں دی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ آج کا جدید تعلیم یافتہ انسان اپنے آباء کی کتابوں سے استفادہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس پر مستزاد یہ

کہ گمراہ فرقوں نے اس خلا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت سلیس زبان میں اپنا زہر ان کے ذہنوں میں گھولنا شروع کیا جس سے اب ان کو اپنے بڑوں کی کتابوں پر گمراہی کا شک ہو گیا۔ یعنی ان زہریلے سانپوں کے زہر کے اثر سے اب ان کو ان کا کڑوا تو میٹھا محسوس ہوا لیکن اپنے میٹھے کو کڑوا سمجھنے لگے۔ اے کاش اب بھی اس طرف توجہ ہو جائے ورنہ ہم اپنی گود میں دشمنوں کے ایجنٹ پال رہے ہوں گے۔

بندے کا ارادہ ہے کہ بزرگوں کے مشورے سے تصوف کے لیے ایسا نصاب تجویز کیا جائے کہ آج کل کے سالک کو ابتدائی طور پر مطلوب تمام معلومات دی جا سکیں۔ بے شک اپنی کمزوری سامنے ہے لیکن اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرما لے تو پھر اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ ہمارا کام ہے خود کو پیش کرنا، باقی سب کچھ اس کی مرضی پر موقوف ہے جیسا وہ چاہے گا ویسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نصیب فرمائے اور ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ تمام مسلمانوں سے بالعموم اور اہل قلوب سے بالخصوص اس کے لیے دعا کی عاجزانہ درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں ہماری خصوصی مدد فرمائے۔

یہ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ الحمدللہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے عوام و خواص میں جو قبولیت کا شرف بخشا اس پر بندہ دل کو شکر سے لبریز اور ادائے شکر سے قاصر پا رہا ہے۔ اس میں کتابت کی غلطیوں کو درست کرنے کے علاوہ کچھ مزید سوالوں کے جوابات تحریر کرنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔ چند جوابات کو مزید عام فہم بنانے کی بھی کوشش کی گئی ہے نیز اس کے آخر میں انڈکس کو بھی وسیع کر دیا گیا ہے جس کی مدد سے انشاءاللہ کسی لفظ کو ڈھونڈنا اب انشاءاللہ مشکل نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب ہم سب کی اصلاح کا اور بارگاہ الٰہی میں قبول ہو کر بندے کی مغفرت کا ذریعہ بنے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ○ آمین۔

سید شبیر احمد کاکاخیل

593/R9 اللہ آباد ویسٹرج راولپنڈی

سوال: تصوف ایک متنازعہ لفظ سمجھا جاتا ہے۔لوگوں کے اس کے بارے میں بڑے تحفظات ہیں۔آپ کی تصوف کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ تصوف کا لفظ متنازعہ ہے لیکن اس کا متنازعہ ہونا حقیقی نہیں بلکہ بعض حضرات نے ناسمجھی کی وجہ سے اس کے غلط معنی سمجھ لیے لہٰذا اس کی افادیت سے انکار کر بیٹھے۔حقیقت میں کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جو ظاہر میں کرنے کے ہوتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ۔اور کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جو کہ دل کے اعمال ہوتے ہیں جن کا پتہ کسی اور کو نہیں چلتا۔ان کا پتہ صرف اللہ کو یا کرنے والے کو ہوتا ہے اور ان ہی اعمال پر ظاہری اعمال منحصر ہوتے ہیں۔اگر کسی کے یہ دل والے اعمال درست نہ ہوں تو بے شک ان کے ظاہر کے اعمال درست بھی ہوں وہ قبولیت کا درجہ نہیں پاتے یا بعض ظاہری اعمال ان باطنی اعمال کی خرابی کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں۔پس ان باطنی اعمال کا یعنی دل کے اعمال کا درست کرنا بھی ضروری ہوا بلکہ اشد ضروری ہوا۔پس وہ طور طریقے اختیار کرنا جس سے یہ دل والے اعمال درست ہو جائیں تصوف کہلاتا ہے۔شریعت کے طور طریقوں کو چونکہ فقہ بھی کہتے ہیں لہٰذا اس معنی میں تصوف کو فقہ الباطن بھی کہتے ہیں۔

سوال: صوفیاء کرام کی اصطلاح میں طریقت، حقیقت اور معرفت کے الفاظ بولے جاتے ہیں، آپ ان کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب۔ظاہری اعمال کو درست کرنے کے طریقوں کو فقہ کہتے ہیں اور باطنی اعمال کو درست کرنے کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔جب دل کی اصلاح اور صفائی ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے کچھ اعمال اور اشیاء کے خواص اور حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔اسی انکشاف کو حقیقت کہتے ہیں پھر جب یہ انکشافات ہو جاتے ہیں تو بندے کا اللہ کے ساتھ ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ بندہ اپنے حالات کے مطابق رب کی منشاء کو سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی جو بھی حالت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کس کام سے زیادہ راضی ہوں گے مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ کی منشاء کا یہ اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ سے موجودہ حال میں صبر

کا مطالبہ ہے تو انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا اور جب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ اب اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میں عاجزی اختیار کروں اور عافیت مانگوں تو اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگی اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے گھر میں سونے کی ٹڈیوں کی بارش فرمادی تو جھولیاں بھر بھر کر جمع فرماتے رہے اور اس آواز پر کہ ایوب کیا تیرا پیٹ ابھی نہیں بھرا؟ فرمایا کہ یا اللہ میرا پیٹ تیری نعمتوں سے کب بھر سکتا ہے۔ یہ سب معرفت الٰہی کے کرشمے ہیں۔

سوال: بحیثیت مسلمان ہم کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتے جو قرآن اور حدیث سے ثابت نہ ہو۔ کیا تصوف قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

جواب: ذرا اس کی تعریف میں غور کیجئے کہ اس میں کونسی چیز قرآن وحدیث سے خارج ہے؟

سوال: تعریف میں طور طریقوں کا ذکر بھی آیا ہے ان کو قرآن وحدیث سے کیسے ثابت کریں گے؟

جواب: جہاں تک اس کے طور طریقوں کی بات ہے تو اگر ان کو محض ذرائع مانا جائے تو پھر اس پر خلاف شریعت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا جیسے کوئی حج کو فرض مانتا ہے اور اس کے لیے جہاز پر سفر کو محض ذریعہ سمجھتا ہے اب گو کہ قرون اولیٰ میں جہاز کا کوئی تصور نہیں تھا لیکن محض جہاز پر جانے کو کوئی بدعت کہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس کو وہ صرف ذریعہ سمجھ رہا ہے ہاں اگر کوئی جہاز پر جانے کو ہی مقصود قرار دے اور دوسرے ذرائع کو غیر شرعی قرار دے تو یہ دین میں زیادتی اور بدعت ہوگی۔ اس لیے اس سے بچنا ضروری ہوگا۔ یعنی یہاں بھی اگر ان طریقوں کو محض ذریعہ سمجھا جائے اور ان کو مقاصد میں شامل نہ سمجھا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

سوال: ٹھیک ہے، لیکن صوفیاء کرام تو بعض اوقات ایسی باتیں کر لیتے ہیں یا ایسے کام کرتے ہیں کہ قرون اولیٰ میں ان کی نظیر نہیں ملتی اس لیے بدعت کی تعریف سے ان کو نکالنا مشکل معلوم ہو رہا ہے۔

جواب: بدعت کی سب سے زیادہ واضح تعریف جو میرے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ کوئی

ایسی بات جس کے لیے دلیل شرعی نہ ہو اس کو دین سمجھنا بدعت ہوگا۔ اگر آپ کا اشارہ اس طرف ہے کہ تصوف کو بعض لوگ بدعت سمجھتے ہیں تو میں یہ واضح کر دوں کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جو تصوف کے مقاصد ہیں وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں جیسے تکبر کی جو مذمت ہے وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح عجب، حسد، کینہ، بغض اور ریاء کی مذمت قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح تفویض (اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا)، توکل (اللہ پر بھروسا کرنا)، تواضع (اپنے آپ کو کم تر سمجھنا) کی فضیلت اور حکم قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ پس اگر کوئی ان کو ہی مقاصد سمجھے اور ان کو حاصل کرنے کے جو طریقے ہیں ان کو محض ذرائع سمجھے تو پھر اس پر بدعت کی تعریف کیسے آ سکتی ہے؟ مثلاً آپ ﷺ کے دور میں جو علوم کو حاصل کرنے کا طریقہ تھا، آج کل وہ نہیں لیکن چونکہ علم حاصل کرنا سب لوگ قرآن اور حدیث سے ثابت سمجھتے ہیں تو علوم کو حاصل کرنے کے جو ذرائع ہیں ان پر کوئی بھی اعتراض نہیں کرتا۔ اسی طرح جو تصوف کے مقاصد ہیں اگر ان کو کوئی مقاصد سمجھتے ہوئے ان کے حاصل کرنے کے طور طریقوں کو محض ذرائع سمجھے تو پھر تصوف پر بھی کوئی اعتراض یا اس کے بدعت ہونے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

سوال: کچھ کچھ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ آپ کی بات تو ٹھیک ہے لیکن آج کل بعض لوگ تصوف کے نام پر ایسے ایسے اعمال کرتے ہیں جو کہ صراحتاً شرک و بدعت ہیں اس لیے سد باب کے طور پر اگر لوگوں کو اس سے بچایا جائے تو کیا یہ درست نہیں ہوگا؟

جواب: سد باب کی تجویز بہت مناسب ہے لیکن یہاں پر اس کو منطبق کرنا بڑا عجیب ہے۔ اگر لوگ اسلام کے نام پر غلط چیزیں شامل کریں تو کیا سد باب کے لیے اسلام کو ہی سلام کر دیں گے؟ یہ تو بالکل وہی بات ہے کہ بعض ناواقف لوگ کہتے ہیں کہ داڑھی اب غلط لوگ رکھنے لگے ہیں اس لیے ہم اب داڑھی نہیں رکھ سکتے۔ یاد رکھیئے جو خدا اور رسول کا حکم ہو اس کو اگر غلط لوگ غلط طریقے سے کرنے لگیں تو اس کا توڑ یہ نہیں کہ اس کو چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کا توڑ یہ ہوگا کہ اس کو صحیح طریقے سے کرنے کو رواج دیا جائے۔ یہی طریقہ ہم

تصوف کے ساتھ اختیار کرنا چاہتے ہیں کہ اسکے صحیح طریقوں کو رواج دیا جائے۔ ہماری کوشش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سوال: وہ کونسے کام ہیں جو طریقت میں لازمی طور پر کرنے ہوتے ہیں؟

جواب۔ ذرا غور فرمائیے۔ اعمال باطنی دو قسموں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ ایک محمود ہیں یعنی پسندیدہ اعمال جیسے تواضع، اخلاص وغیرہ اور دوسرے مذموم یعنی ناپسندیدہ اعمال ہیں جیسے تکبر اور ریاء وغیرہ۔ طریقت میں اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ مذموم اعمال ختم ہو جائیں اور محمود اعمال پیدا ہو جائیں۔ پہلے کو تخلیہ یا تجلیہ کہتے ہیں اور دوسرے کو تحلیہ کہتے ہیں۔

سوال: تصوف سے کیا حاصل ہوتا ہے؟

جواب۔ ظاہراً دو قسم کے ثمرات اس سے حاصل ہو جاتے ہیں۔

1- بندے کے دل کی درستگی یعنی محمود اعمال کے لیے دل کا تیار ہو جانا اور نفس کا رذائل سے پاک ہو جانا۔ دوسرے لفظوں میں بندہ فی الحقیقت بندہ بن جاتا ہے۔

2- اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی قبولیت یعنی بندے کا اللہ والا بن جانا۔ اسی کو وصول کہتے ہیں اور اسی کو نسبت کہتے ہیں۔

سوال: کیا وصول اختیاری ہے؟

جواب۔ نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔

سوال: اگر یہ اختیاری نہیں تو ہم اس کے لیے کیسے کوشش کر سکتے ہیں؟

جواب: اچھا اور موقع کا سوال ہے لیکن جواب ذرا غور سے سنیئے:

ہم جانتے ہیں کہ جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اعمال پر نہیں لیکن پھر بھی ہمیں اعمال کا حکم دیا جاتا ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم بے فائدہ نہیں اس لیے ہمارا کام عمل کرنا ہے نتیجہ خدا کے حوالے ہے۔ تو جس طرح باوجود اس کے کہ جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے ہم اس کو اپنے لیے مقصد سمجھتے ہیں اور اس کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا کام باطنی اعمال کی درستگی ہے جو

اختیاری ہے اور اس کا حکم ہے لیکن اس پر نسبت کا حاصل ہونا اگر چہ غیر اختیاری ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے بھروسہ پر بلا چوں و چرا عمل جاری رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جب حکمت ہوگی نسبت عطا فرما دیں گے۔

سوال: آپ نے جن چیزوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ تصوف سے حاصل ہوتی ہیں کیا محض تصوف کی کتابیں پڑھ کر ان مقاصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے؟

جواب۔ عالم امکان میں تو ہے لیکن تجربے سے یہی ثابت ہے کہ ایسا بغیر کسی کی رہنمائی کے انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ ایک شعر ہے۔

گر ہوائے ایں سفر داری دلا　　دامن رہبر بگیر و پس بیا
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق　　عمر بگزشت و نشد آگاہ عشق

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس سفر پر جانا ہے تو رہبر کا ہونا لازمی ہے کیونکہ جو اس راستے میں بغیر رہبر کے چلا اس کی عمر گزر گئی اور اس کو مقصود حاصل نہیں ہوا۔ عقلی توجیہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص ان مقاصد کو حاصل کرے گا وہ یا تو مخلص ہوگا یا نہیں ہوگا۔ پس اگر مخلص نہیں ہے تو آسانی کی تلاش میں ہوگا اور پہلے ہی قدم پر نفس کے مکر کا شکار ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ راستہ ہی نفس کی تربیت کا ہے اور تربیت میں تو مجاہدہ ہوتا ہے اور مجاہدے کی نفس مزاحمت کرے گا اس لیے یہ کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکے گا۔ دوسری طرف اگر یہ مخلص ہے تو اخلاص کی وجہ سے اپنے نفس کے مکر سے بچنے کے لیے اپنے لیے مشکل راستہ چنے گا۔ اس سے مجاہدہ تحمل سے باہر ہو جائے گا تو یا تو اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھتے ہوئے اس راستے کو خیر آباد کہہ دے گا یا پھر اس کو ایسی جسمانی تکالیف پیش آ سکتی ہیں جس سے بعد میں خود بخود اعمال ساقط ہو جائیں گے۔ پس دونوں صورتوں میں محرومی ہوگی۔ اس کے برعکس اگر کسی کی نگرانی میں کام کرے گا تو وہ اس سے مجاہدہ تو کرائے گا لیکن بقدر تحمل، نیز تجربے سے اس پر عمل سہل ہو جائے گا اور سب سے بڑی بات کہ غیر یقینی صورت حال سے جو اس پر بے انتہا بوجھ پڑتا ہے وہ نہیں پڑے گا۔

سوال: یہاں رہنمائی اور غیر یقینی صورت حال سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ رہنمائی سے مراد یہ ہے کہ ہر کام پوچھ پوچھ کے کیا جائے۔ کیونکہ نفس کے امراض کا اول تو خود ادراک ہو جانا مشکل ہے اور اگر ان کا ادراک ہو بھی جائے تو اس کا خود علاج کرنا بہت مشکل ہے۔ غیر یقینی صورت حال سے مراد یہ ہے کہ طالب اگر مخلص ہے تو اس کو اپنی اصلاح کے لیے نفس پر کتنا بوجھ ڈالنا چاہیئے اور اس کی کتنی رعایت کرنی چاہیئے؟

سوال: رہنمائی پھر کس کی ہونی چاہئے؟

جواب۔ شیخ کامل کی، جس کو بعض لوگ پیر بھی کہتے ہیں۔

سوال: پیر کے بارے میں سنا تو بہت کچھ ہے لیکن پیر ہوتا کیا ہے؟

جواب: پیر مربی ہوتا ہے۔ جو شخص اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو جیسا کہ پہلے کہا گیا خود اپنی اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے اس لیے کسی کو اپنا رہبر بنانا پڑتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنے پیر کے ساتھ ایک تعلق ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے بارے میں بتاتا جاتا ہے۔ اس لیے اس کو اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو رہی ہوتی ہیں۔ پھر جب وہ کسی چیز کے بارے میں اس سے مشورہ کرتا ہے تو اس کا مشورہ اپنے مرید کے لیے باقی لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

سوال: کیا اس پیری مریدی کی اسلام میں گنجائش ہے؟

جواب: کیوں نہیں؟ جس طرح استاد شاگرد کی گنجائش ہے یا جس طرح ڈاکٹر اور مریض کی گنجائش ہے اسی طرح پیری مریدی کی گنجائش ہے۔ ہر شخص اپنی اصلاح کے لیے ایک پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے جس سے وہ اصلاح لیتا ہے۔ اپنی اصلاح فرض عین ہے اور پیر کا ہاتھ پکڑنا اس کے لیے ایک ذریعہ ہے، اس لیے اس کے جواز میں کیا اختلاف ہو سکتا ہے؟ مرید ایک طرح سے روحانی مریض ہے اور دوسری حیثیت سے تصوف کے علوم کا شاگرد ہے۔ دونوں حیثیتیں چونکہ ثابت ہیں۔ اس لیے مرید ہونا بھی جائز ہے اور پیر کا ہاتھ پکڑنا بھی جائز۔

سوال: ہم نے تو سنا تھا کہ مزاج تبدیل نہیں ہو سکتے جبکہ آپ تو شاید اس کو ممکن سمجھتے ہیں۔

جواب۔جی ہاں۔آپ نے ٹھیک سنا ہے طبیعت تبدیل نہیں ہوسکتی لیکن عادت تبدیل ہوسکتی ہے۔مشائخ کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرید کی طبیعت کو پہچان لیں اور اس کی طبیعت کے مطابق اس سے کام لیں اور اس کو صحیح راستے پر گامزن کر کے اس کی عادت درست کر دیں۔آخر صحابہ کرامؓ میں بھی تو ہر قسم کی طبیعتیں تھیں۔جب ان کی اصلاح ہوگئی تو ہر ایک ہدایت کا مینار بن گیا اور سب کے بارے میں فرمایا گیا کہ جس کے پیچھے بھی جاؤ گے ہدایت پالو گے۔پس طبیعتیں تو تبدیل نہیں ہوسکتیں لیکن ہر طبیعت کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ آج کل کی زبان میں اگر طبیعت کو Hardware کہا جائے تو عادت کو Software کہا جاسکتا ہے۔پس Hardware تو ہر ایک ساتھ لے کے آتا ہے لیکن اس میں Software ماحول، والدین یا مشائخ ڈالتے ہیں۔

سوال: کیا کسی شخص کو بھی پیر بنایا جاسکتا ہے؟

جواب۔نہیں، جیسے ہر ایک سے علاج نہیں کروایا جاتا اس طرح ہر ایک کو پیر بھی نہیں بنایا جا سکتا۔اس کے لیے کچھ شرائط ہیں جن کا جاننا ضروری ہے ورنہ فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوسکتا ہے۔

سوال: ہم تو کسی بھی ڈاکٹر سے علاج کرواسکتے ہیں یہاں ایسا کیوں نہیں؟

جواب: آپ شاید میرا جواب نہیں سمجھے۔ڈاکٹروں میں تو آپ کسی کو بھی اپنا ڈاکٹر بنا سکتے ہیں لیکن جو ڈاکٹر نہیں ان سے تو آپ علاج نہیں کرواتے! اسی طرح پیروں میں سے تو کوئی بھی پیر ہوسکتا ہے لیکن جو پیر ہی نہیں اس کو کیسے پیر بنایا جاسکتا ہے؟

سوال: کیا پیر کا ایک ہونا ضروری ہے؟ اس سوال کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آپ نے پیر کی مثال ایک استاد کی دی ہے تو جیسے استاد کئی ہوسکتے ہیں اس طرح پیر بھی تو کئی ہوسکتے ہوں گے؟

جواب۔بڑا شاندار عملی سوال ہے لیکن اس کا جواب سمجھنے کی کوشش کریں تو سمجھ میں آنا مشکل نہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ مرید کی دو حیثیتیں ہیں۔ایک مریض ہونا،اس صورت میں پیر معالج ہوتا ہے اور ایک شاگرد ہونا ،اس صورت میں پیر استاد ہوتا ہے۔طریقت کی بنیادی تعریف سے مرید کا مریض ہونا زیادہ اہم ہے کہ مرید نفس کے رذائل کو دور کرنے کے لیے پیر کی خدمات حاصل کرتا ہے۔پیر کا مرید کو بعض علوم تصوف کا سمجھانا محض اس کا تبرع اور احسان ہے اور یہ لازمی نہیں۔اس لیے بعض اوقات کوئی وجہ بھی نہیں بتائی جاتی۔ اس کی مثال بعض ڈاکٹروں میں بھی ملتی ہے کہ وہ مریضوں کو ان کے امراض کے بارے میں کچھ سمجھاتے بھی رہتے ہیں جبکہ بعض ڈاکٹر بالکل نہیں بتاتے۔تو اصل چیز علاج ہوا کہ وہ تو سب کے ہاں مشترک ہے اور کبھی کبھی تعلیم بھی ساتھ ہو جاتی ہے۔اب اگر پیر کا معالج ہونا سمجھ میں آ گیا تو پھر پیر کا ایک ہونا بھی سمجھ میں آ جائے گا۔

سوال: مجھے اب بھی یہ واضح نہیں ہو سکا۔ہم ڈاکٹروں کو بدلتے بھی رہتے ہیں تو اس طرح تو ہمارا کئی ڈاکٹروں کے ساتھ واسطہ ہو جاتا ہے۔اس لیے میں پہلے جواب سے مطمئن نہیں ہو سکا۔

جواب۔کسی ایک بیماری کے علاج کے دوران ڈاکٹروں کا بدلنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔اس صورت میں مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہوتا ہے کیونکہ ایک ڈاکٹر کے پاس آنے جانے سے جب اس ڈاکٹر کو مریض کا مرض کچھ سمجھ میں آنا شروع ہو جائے تو اگر اس وقت کسی نئے ڈاکٹر سے علاج شروع کر دیا جائے تو پھر اس کو نئے تجربات سے گزرنا ہوگا۔اس لیے کسی بھی ڈاکٹر کو مرض سمجھنے کا مناسب وقت نہیں مل سکے گا اور مرض بعض دفعہ خطرناک صورت اختیار کر لے گا۔

سوال: تو کیا ہم ہر ایک رذیلے کو دور کرنے کیلیے علیحدہ پیر منتخب کر سکتے ہیں؟

جواب۔نہیں،لیکن اس بات کو سمجھنے کے لیے کچھ تمہید کی ضرورت ہے۔وہ یہ کہ جب دو چیزوں کو آپس میں تشبیہ دی جا رہی ہو تو ضروری نہیں کہ وہ دو چیزیں بالکل ایک جیسی ہوں بلکہ درمیان میں کسی ایک صفت کے شریک ہونے کی وجہ سے بھی ان کو تشبیہ دی جا رہی ہوتی

ہے جبکہ حقیقت میں وہ ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ یہاں سمجھانے کے لیے یہ عرض کروں کہ طب میں تو مختلف امراض کے مختلف ڈاکٹروں اور حکیموں سے رجوع مشاہد ہے کیونکہ مختلف امراض کے مختلف تخصص ہوتے ہیں لیکن طب روحانی یعنی تصوف میں اصل مرض ایک ہوتا ہے اور وہ دنیا کی محبت ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ **حب الدنیا رأس کل خطیئة** اور اس کا علاج ایک ہے اور وہ ہے اللہ کی محبت، پس اصل تصوف دل سے دنیا کی محبت کو نکال کر اس میں اللہ کی محبت کو پیدا کرنا ہے باقی تمام طریقے اس کے فروعات ہیں اس لیے ایک ہی پیر پر انحصار کیا جاتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں لوگوں کے مشاہدے سے ہم یکسر کیسے انکار کر سکتے ہیں؟ اس لیے اسی میں بہتری ہے کہ ایک ہی پیر کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے۔

سوال: چلیئے مان لیا کہ صرف ایک پیر سے تعلق رکھنا ہی بہتر ہے لیکن خدانخواستہ کوئی سادہ آدمی کسی غلط پیر سے بیعت ہو جائے تو اسے کیا کرنا چاہیئے؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے آپ نے بہت اہم اور عملی سوال کیا ہے۔ اس بات کی اہمیت اپنی جگہ ہے کہ پیر کو ایک ہونا چاہیئے لیکن اس کا لازمی نتیجہ پھر یہ ہونا چاہیئے کہ وہ پیر صحیح ہو، شیخ کامل بھی ہو اور مرید کو اس کے ساتھ مناسبت بھی ہو ورنہ وہی ہوگا جو اناڑی ڈاکٹر کے ہاتھ پھنسنے والوں کا ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ پیر انتہائی سوچ سمجھ کر چُنا جائے۔ لہٰذا پیر کامل کی نشانیوں کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے۔ اپنے آپ کا اس کے ساتھ مناسبت کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے۔ اس میں جلدی نہ کی جائے۔ جس پیر کا عقیدہ خراب ہو یا وہ مستند نہ ہو یا صریح فسق و فجور میں مبتلا ہو اس کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے اور اگر کوئی اس سے بیعت ہو گیا تو اس کا نبھانا ضروری نہیں چپکے سے کسی اور مستند پیر کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنا چاہیئے، لیکن اپنے گزشتہ پیر کی بے ادبی نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ وہ ابتدائی محسن ہے اس لیے باقی لوگ بے شک اس کے بارے میں کچھ بھی کہیں خود اس کے حق میں بے ادبی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس وقت اس کا معاملہ والد کی طرح ہو جاتا ہے کہ اس

کی بات ماننی تو نہیں کیونکہ وہ شریعت کی خلاف ورزی ہوگی لیکن اس کے ساتھ عرف کے مطابق اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

سوال: اگر وہ پیر فسق و فجور میں مبتلا ہو اور لوگوں کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہو پھر بھی چپ رہے؟

جواب۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ اس کی بے ادبی نہیں کرنی چاہیئے تاہم لوگوں کو یہ سمجھانا کہ بدعقیدہ اور فاسق فاجر شیخ سے بیعت نہیں ہونا چاہیے ضروری ہے۔ اس طرح عام بات کرنا لوگوں کو بچانے کے لیے کافی ہوسکتا ہے بالخصوص ایسے شخص کی بات جو اس بات میں مبتلا رہ چکا ہو لوگوں کی ہدایت کے لیے زیادہ مفید ہوگی کیونکہ وہ دل سے کہے گا تاہم اپنے گزشتہ شیخ کے بارے میں اشد ضرورت کے بغیر کچھ نہ کہے اگر کوئی پوچھے تو اس کو اس چیز کے جاننے والوں کی طرف راغب کیا جائے۔

سوال: اگر کسی پیر کے ساتھ اس کے مرید کی مناسبت نہیں اور اس کا پیر نہ تو بدعقیدہ ہے اور نہ ہی بدعمل ہے تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے۔ بعض دفعہ مناسبت محسوس نہیں ہوتی لیکن ہوتی ہے۔ اس وقت اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر ہو تو واضح ہو جائے لیکن اگر بالکل مناسبت نہیں تو دل میں اس کا انتہائی احترام رکھتے ہوئے اپنا تعلق کسی اور کے ساتھ قائم کیا جائے لیکن اس دفعہ مزید احتیاط کے ساتھ کہ پہلے دوسرے شیخ کے ساتھ مناسبت کا یقین کر لیا جائے تاکہ پھر وہ صورت حال واقع نہ ہو۔

سوال: بعض حضرات تصوف اور بیعت کو آپس میں لازم و ملزوم سمجھتے ہیں کیا بیعت کرنا واقعی اتنا ضروری ہے؟

جواب۔ مفید تو یقیناً ہے لیکن اس کی حیثیت سنت مستحبہ کی ہے جبکہ اپنی اصلاح فرض عین ہے اس لیے کسی سے اپنی اصلاح کے لیے اگر بیعت کے بغیر بھی تعلق قائم کیا اور اپنی اصلاح کروائی تو مقصد تو پورا ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر کسی نے ایک بڑے شیخ کی

بیعت کر لی لیکن اس سے اپنی اصلاح نہیں کروائی تو اس کو مقصود حاصل نہیں ہوا۔

سوال: تو پھر بیعت کے تردد میں کیوں پڑے، بس اپنی اصلاح کرائے اور ختم؟

جواب۔ٹھیک لیکن اگر واقعی ایسا ہو تو، ورنہ بیعت کے ثمرات سے انکار نہیں۔

سوال: بیعت کے ثمرات کیا ہوتے ہیں؟

جواب۔پیر کی توجہ ہو جاتی ہے اور مرید کو اپنا سمجھنے لگتا ہے اور اس کے بارے میں فکر مند ہو جاتا ہے۔مرید اپنے مقصود کو ایک شخص کے ساتھ وابستہ کر لیتا ہے اور ہر جائی پن ختم ہو جاتا ہے جو طریق میں انتہائی نقصان دہ چیز ہے۔سلسلے کی اپنی برکات ہوتی ہیں وہ الگ حاصل ہوتی ہیں۔سب سے بڑھ کر اس کا فائدہ یہ ہے کہ صحیح پیر کے ساتھ تعلق ہو تو ایمان محفوظ ہو جاتا ہے۔

سوال: کیا خواتین کو بھی بیعت کیا جا سکتا ہے؟

جواب۔کیوں نہیں۔قرآن میں بیعت کی جو آیت ہے وہ خواتین کی بیعت کا ہے۔مردوں کی بیعت تو حدیث پاک سے ثابت ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ اس میں شرعی پابندیوں مثلاً پردے کا خیال رکھنا (نامحرم پیر نامحرم ہوتا ہے) اور گھر کے مردوں کا اعتماد ضروری ہے۔

سوال: صحیح پیر کون ہو سکتا ہے؟ اس میں ذرا رہنمائی فرمائیے۔

جواب۔ماشاءاللہ یہ طلب کی علامت ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے صحیح بات کرنے کی توفیق دے۔ اس سے پہلے آپ تھوڑی سی ہمت کر لیں اور بتائیں کہ آپ کسی ڈاکٹر کا انتخاب کیسے کرتے ہیں؟

سوال: ہم ڈاکٹر کا انتخاب اس طرح کرتے ہیں کہ دیکھتے ہیں کہ وہ مستند ہے یا نہیں یعنی اس نے کسی میڈیکل کالج سے پڑھا ہے یا نہیں اور اگر پڑھا ہے تو اس کے پاس ڈگری ہے یا نہیں۔کیا پیر کے انتخاب کے لیے اتنی بات کافی ہے؟

جواب: نہیں۔اس کے علاوہ یہاں یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ آپ میں اور اس میں مناسبت بھی ہے یا نہیں؟ ورنہ فائدہ نہیں ہوگا۔

سوال: یہ مناسبت کیا ہوتی ہے؟ نیز پیر کے مستند ہونے کا کیا مطلب ہے۔

جواب: مناسبت سے مراد یہ ہے کہ اس کی مجلس سے، مکاتبت سے، اس کی کتابوں سے آپ کو فائدہ ہونا محسوس ہوتا ہو۔ اور اس کے بارے میں اگر آپ کو وسوسہ آئے تو اس وسوسے کو پالنے کی بجائے آپ اس سے چھٹکارہ پانا چاہتے ہوں۔ جبکہ پیر کے مستند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی مستند سلسلے میں بیعت ہو چکا ہو اور وہاں سے اس کو اجازت یعنی خلافت مل چکی ہو۔

سوال: اگر کوئی بیعت نہ ہوا ہو اور اس کی اصلاح کسی طرح ہو جائے تو کیا اس کو خلافت مل سکتی ہے؟

جواب۔ ماشاءاللہ۔ بہت اچھا سوال ہے۔ اگر کسی کی اصلاح ہو چکی ہو تو اس کو خلافت دی جاسکتی ہے۔ یہ خلافت اس بات کی انشاءاللہ علامت ہوگی کہ اب یہ شخص فتنہ نہیں بنے گا اس لیے جس دینی کام کو مثلاً تدریس، دینی سیاست، تبلیغ وغیرہ کو کرے گا تو سلیم القلبی کے باعث اس کو صحیح نیت سے انشاءاللہ کرے گا، لیکن اس دینی کام کے مسائل اور فنون کو جاننا اس کے ذمّے الگ ہوگا۔ اس لیے اس کو اس پر علیحدہ محنت کرنی چاہیئے۔ ان کاموں میں سے ایک کام دوسروں کا تزکیہ بھی ہے اور چونکہ تزکیہ بھی ایک فن ہے اس لیے اگر تزکیہ کے میدان میں وہ کام کرنا چاہتا ہو تو اس کو کسی مستند ماہر فن سے اس فن کو حاصل کرنا چاہیئے بصورت دیگر درست نیت کے باوجود غلطی کا امکان باقی رہے گا۔

سوال: کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ بیعت کسی ایک شیخ سے ہو اور اس کو خلافت کسی اور جگہ سے مل جائے؟

جواب۔ جی ہاں۔ خلافت نسبت کے حصول کی علامت ہوتی ہے۔ پس کسی بھی شیخ سے تربیت پانے کے بعد اگر کسی اور شیخ کی نظر میں اس کو نسبت حاصل ہو چکی ہو تو اس کا اظہار خلافت کی صورت میں وہ کرسکتا ہے تاہم ایک چیز کا خیال رکھنا بہتر ہے کہ اگر دوسرے شیخ کی پہلے شیخ کے ساتھ واقفیت اور مناسبت نہ ہو تو ایسا کرنا پیچیدہ صورت حال کا باعث بن

سکتا ہے تو ایسی صورت میں اس سے اعراض مناسب ہے۔ اگر ممکن ہو تو دوسرا شیخ اپنے خیال کی اطلاع اس کے پہلے شیخ کو کرسکتا ہے باقی فیصلہ اس پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ بات تجربے سے عرض کی ہے، دوسروں کا اس سے اختلاف ممکن ہے۔

سوال: کیا یہ ممکن ہے کہ بیعت ایک شیخ سے ہو اور تربیت کوئی اور کرے؟

جواب۔ جی ہاں ایسا ممکن ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت تھے لیکن ان کی تربیت حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے کی اور ان کو خلافت بھی حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے دلوادی۔ اس طرح مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ بیعت تو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھے لیکن تربیت حضرت تھانویؒ نے کی اور اجازت بھی حضرت تھانویؒ سے حاصل ہوئی۔

سوال: اگر کوئی شخص کسی بزرگ سے بیعت ہو جائے لیکن رابطہ کسی وجہ سے ان کے ساتھ نہ رکھ سکے تو کیا کسی اور شیخ سے تعلیم کے سلسلے میں رجوع کرسکتا ہے؟

جواب۔ اگر جس شیخ سے بیعت کی ہو، ان سے رابطہ ممکن ہو اور شیخ اس کی تربیت کرنا چاہتا بھی ہو تو کسی اور شیخ سے رجوع کرنا مناسب نہیں۔ اس کے برعکس اپنے شیخ کے ساتھ یا تو رابطہ ممکن نہ رہے۔ یا شیخ بہت معذور ہو جائے اور تعلیم وارشاد کا سلسلہ اب وہ جاری نہ رکھ سکے تو دوسرے شیخ سے بغرض تعلیم رجوع کرسکتا ہے۔ اب وہ دوسرا اس کا شیخ تعلیم ہو جائے گا۔ اب اس کو موجودہ شیخ کے ساتھ وہی معاملہ رکھنا چاہیئے جو وہ اپنے شیخ بیعت کے ساتھ رکھتا تھا لیکن شیخ بیعت کا ادب اس کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

سوال: کیا شیخ کا اسی طرح ادب کرنا چاہیئے جیسے صحابہ کرام آپ ﷺ کا کیا کرتے تھے؟

جواب۔ ہم اللہ تعالیٰ کا تعلق چاہتے ہیں جو سنت نبوی کے بغیر ممکن نہیں۔ علماً سنت ہمیں علماء کرام سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن عملاً مشائخ سے حاصل ہوتا ہے بالخصوص اپنے شیخ سے۔ پس شیخ سنت رسول حاصل کرنے کا وسیلہ ہوا اور سنت رسول اللہ تعالیٰ کے تعلق کا۔ اس طرح بالواسطہ شیخ اللہ تعالیٰ کے تعلق کا وسیلہ ہوا۔ پس جو ادب صحابہ کرام نے رسول

اللہ ﷺ کا اس مقصد کے لئے کیا تو چونکہ ہمارے سامنے اپنا شیخ ہی ہے، ہم صحابہ کی اتباع میں اسی طرح اس وسیلے کا ادب کریں گے۔ فرق صرف یہ ہے صحابہ پیغمبر کا ادب کرتے تھے جن سے اختلاف کفر تھا جبکہ شیخ پیغمبر نہیں ہے اس لئے ان سے علمی اختلاف کفر نہیں اور اگر اجتہادی طور پر حق پر ہو تو گناہ بھی نہیں تاہم تربیت چونکہ اسی وسیلے کے ذریعے ہو رہی ہے اس لئے اس میں شیخ سے اختلاف محرومی اور سلوک کے اعلیٰ موانع میں سے ہے۔ اختلاف جیسے منفی طور پر سب سے اعلیٰ مانع ہے اسی طرح ادب مثبت طور پر تعلق مع اللہ کا بڑا ذریعہ ہے خوب سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ آپ ﷺ کے مقام کے پہچاننے کا یہ سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ جو لوگ ان سلاسل میں نہیں آئے ہوتے وہ آپ ﷺ کا مقام نہیں پہچان سکتے۔ آپ ﷺ کا مقام وہی پہچانتے ہیں جو کسی سلسلے میں بیعت ہو چکے ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنا تعلق اور محبت شیخ کے ساتھ دیکھا ہوتا ہے۔ تو پھر وہ صحابہ کرام کے اس تعلق اور اس محبت کو محسوس کر سکتے ہیں۔ ان کو پھر پتہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کیسے شیدائی ہوتے تھے۔ جتنا جتنا تعلق کسی کا شیخ کے ساتھ بڑھ رہا ہوتا ہے، اتنا اتنا ان کو صحابہ کی پہچان ہوتی جائے گی۔ تو یہ گویا اتباع صحابہؓ جسکا حکم ہے۔ اس کے لئے زینہ ہے۔

سوال: شیخ کے کام اور شیخ کی صحبت میں کس چیز کو ترجیح دینی چاہیئے؟

جواب۔ شیخ کی صحبت زیادہ پیاری ہونی چاہیئے اور شیخ کے کام کو اس پر ترجیح دینی چاہیئے کیونکہ الامر فوق الادب۔

سوال: یہاں مستند سلسلے کا ذکر آیا ہے یہ کیا ہوتا ہے؟

جواب: یہ آپ ﷺ کے وقت سے صحبت کے سلسلے ہیں جیسا کہ حدیث کا سلسلہ بھی ہوتا ہے۔ پس جو آپ ﷺ سے تربیت حاصل کر چکا۔ پھر اس سے جو تربیت حاصل کر چکا اور اس طرح ہوتے ہوتے موجودہ دور تک بات آ جائے تو اس کو سلسلہ کہتے ہیں۔

سوال: آپ فرما رہے تھے کہ سارے سلسلے حضور ﷺ کی طرف سے آئے ہیں تو پھر تو سب کا سلسلہ ایک ہونا چاہیئے ان سلسلوں میں فرق کیوں ہے؟

جواب: جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ تصوف فقہ الباطن ہے تو جیسا کہ فقہ الظاہر میں ہے کہ گو سب سلسلے آپ ﷺ سے شروع ہوئے ہیں لیکن جن جن اکابرین نے ان فقہوں کی تدوین کی ان کے نام سے ان کی فقہ چلی۔ مثلاً فقہ حنفی، فقہ شافعی وغیرہ۔ اسی طرح فقہ الباطن میں بھی جو جو اپنے اپنے سلسلوں کی تدوین میں نمایاں ثابت ہوئے ان کے نام سے ان کے سلسلے موسوم ہوئے مثلاً چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ وغیرہ۔

سوال: ان کے اندر فرق کیا ہے؟

جواب: ان میں اصل فرق اصلاح کے لیے استعمال ہونے والے ذرائع میں ہے۔ طب میں اس کی مثال حکمت، ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی وغیرہ ہے یعنی جس طرح علاج کے ان مختلف طریقوں سے ایک ہی چیز یعنی صحت مطلوب ہے لیکن اس صحت کو حاصل کرنے کے طریقوں میں پھر فرق ہوتا ہے۔ ہر ایک کے اپنے ذرائع اور اپنے اصول ہیں اسی طرح ان سلسلوں میں مطلوب تو ایک ہی ہے یعنی روحانی صحت لیکن ان کے لیے ذرائع میں ہر ایک کی اپنی تفصیل ہے اور بعض اصولوں میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔

سوال: اصولوں میں؟ مثلاً کیا اختلاف ہوسکتا ہے؟

جواب: ایک اصول مثلاً یہ ہے کہ جب روشنی آجاتی ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے اس لیے اگر اچھی چیزیں سالک میں آئیں گی تو ان کے متضاد یعنی بری چیزیں ختم ہوجایں گی۔ یہ اصول تو نقشبندیہ کا ہے اس لیے یہ حضرات پہلے سے ہی ذکر پر لگا دیتے ہیں کہ اس کے نور سے رذائل ختم ہوجائیں دوسرا اصول یہ ہے کہ برتن اگر میلا ہو تو اس میں دودھ بھی ڈالا جائے گا تو وہ خراب ہوجائے گا۔ یہ اصول چشتیہ کا ہے کہ وہ پہلے مجاہدات کے ذریعے تکبر کو زائل کرادیتے ہیں۔ آخر میں جب تکبر ختم ہوجاتا ہے تو تھوڑی سی توجہ اور ذکر سے بھی سالک واصل ہوجاتا ہے۔ دونوں اصول بڑے کام کے ہیں بات صرف مناسبت کی ہے جس کو جس طریقے سے مناسبت ہو اس کو اسی طریقے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

سوال: یہ اویسی سلسلہ کیا ہوتا ہے؟

جواب۔اویسی سلسلہ تو کوئی نہیں ہوتا البتہ اویسی نسبت ہوسکتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوتا کہ کسی بزرگ کی روح سے براہ راست روحانی استفادہ کیا جائے۔ایسا ممکن ہے لیکن یہ آگے کسی اور کو منتقل نہیں کی جاسکتی۔ہاں اگر کسی کو کسی سلسلہ میں نسبت علیحدہ حاصل ہو تو وہ نسبت اویسی نسبت کی وجہ سے قوی ہوجاتی ہے۔اس کی مثال حدیث اور خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کا ہے۔آپ ﷺ کی خواب میں زیارت تو ہوسکتی ہے لیکن اس سے اس صاحب خواب کو تو فائدہ ہوتا ہے لیکن اس خواب میں اگر اس نے آپ ﷺ سے کچھ سنا ہے تو اس کا حدیث شریف کا درجہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ متعدی نہیں ہے۔

سوال: یہ سالک اور واصل کیا ہوتا ہے؟

جواب۔سلوک راستے کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح میں سلوک سے مراد تصوف کا طریقہ ہے۔ سالک راستے پر چلنے والے کو کہتے ہیں لیکن یہاں اصطلاح میں سالک سے مراد راہِ طریقت پر قدم رکھنے والا ہے۔واصل سے مراد سیر الی اللہ کو ختم کرنے والا ہوتا ہے۔

سوال: یہ ایک اور نئی بات آ گئی سیر الی اللہ کی۔اس کے بارے میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔

جواب۔جب رذائل یعنی روحانی بیماریوں سے قلب شفایاب ہوجائے اور ضروری فضائل سے قلب آراستہ ہوجائے تو اس سے سیر الی اللہ کا ختم ہونا مراد لیا جاتا ہے۔

سوال: کیا اس کے بعد کام ختم ہوجاتا ہے؟

جواب۔نہیں۔کام کہاں ختم ہوتا ہے بلکہ اس کے بعد تو کام شروع ہوتا ہے۔جس طرح بیماری سے جب انسان شفایاب ہوجاتا ہے تو اس کے بعد کام کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اور پھر وہ کام کرنا شروع کردیتا ہے۔اسی طرح سیر الی اللہ ختم ہونے کے بعد اصل کام شروع ہوجاتا ہے یعنی اس وظیفے کا پورا کرنا جس کے لیے جن اور انسان کو پیدا کیا گیا ہے یعنی عبادت اخلاص کے ساتھ۔اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

سوال: کیا مرید اپنے شیخ سے درجات میں بڑھ سکتا ہے؟

جواب۔جی ہاں، سیر فی اللہ میں جو جتنا آگے بڑھے، اللہ کا فضل ہے اور بندے کی ہمت۔

آخر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی تو کسی کے مرید تھے۔

سوال: تصوف میں جو مقاصد ہیں ان کو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب۔ دو قسم کے ذرائع ہیں جن سے کام لیا جاتا ہے:

1- مجاہدہ کا استعمال کرنا۔

2- فاعلہ کا استعمال کرنا۔

ان میں بعض فاعلات ایسے ہیں کہ ان سے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا اور بعض میں نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔

سوال: فاعلہ کی بعض اقسام میں اگر نقصان کا اندیشہ ہو تو پھر یہ طریقہ اختیار ہی کیوں کیا جائے؟ بالفاظ دیگر یہ خطرہ مول ہی کیوں لیا جائے؟

جواب۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ تصوف طب کی طرح ہے پس جس طرح طب میں پہلے علاج کے بے خطر طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اگر ان سے کام ہو جائے تو بات ختم، نہیں تو بعض اوقات علاج کی خطرناک صورتوں کو بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس صورت میں ڈاکٹر کمال ہوشیاری سے اس خطرے کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسے Steroids سٹیرائڈز کا استعمال۔ اسی طرح سلوک میں بھی سالک کی حالت ایسی ہو کہ اس کے لیے ایسے طریقوں کی ضرورت پڑے جن میں نقصان کا اندیشہ ہو تو ان کو احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔

سوال: کیا سلوک کی قسمیں بھی ہوتی ہیں؟

جواب۔ جی ہاں، دو ہیں۔ سلوک ولایت اور سلوک نبوت۔

سوال: نبوت تو ختم ہو چکی ہے۔ سلوک نبوت سے پھر کیا مراد ہے۔؟

جواب۔ جی ہاں۔ نبوت ختم ہو چکی ہے لیکن اس کا ذوق بعض کو حاصل ہو سکتا ہے۔ جن کا یہ ذوق ہو وہ سلوک نبوت پر چلتے ہیں۔ سلوک ولایت پر نہیں چل سکتے۔

سوال: ان میں فرق کیا ہے؟

جواب۔سلوک ولایت والے پہلے فنا فی الشیخ ہوتے ہیں پھر فنا فی الرسول اور پھر فنا فی اللہ۔ یہ اپنے شیخ پر فریفتہ ہوتے ہیں۔خلق سے طبعاً دور بھاگتے ہیں۔لذات سے مجتنب رہتے ہیں۔اپنے مکاشفات اور تحقیقات پر اطمینان ہوتا ہے اور ان کو حب طبعی حاصل ہوتا ہے۔مقام توکل میں اسباب ظاہری کو ترک کر دیتے ہیں حتیٰ کے بعض اوقات غلبہ حال کی وجہ سے دعا بھی انہاک سے نہیں مانگتے۔حضرت علیؓ کی طرف طبعی رجحان ہوتا ہے اور غلبہ حال میں کبھی کبھی شرع کو چھوڑ بھی دیتے ہیں جس میں یہ معذور مگر نا قابل تقلید ہوتے ہیں یہ فناء الفناء اور رضاء کو سب سے اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں۔جبکہ سلوک نبوت والے **لاالہ الااللہ محمدالرسول اللہ** کی عملی تفسیر ہوتے ہیں۔اللہ کی محبت کو فقط طریقۂ رسول میں ڈھونڈتے ہیں۔اپنے شیخ کی فضیلت کا دعویٰ نہیں کرتے لیکن اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ان پر حب عقلی غالب ہوتی ہے اور شریعت کی اتباع میں عقل سے خوب کام لیتے ہیں۔شریعت پر بڑی پختگی سے عمل کرتے ہیں۔لذات کو ٹھکراتے نہیں بلکہ شریعت کے دائرے میں استعمال کر کے اس پر شکر ادا کرتے ہیں۔شیخین کی طرف ان کا طبعی رجحان زیادہ ہوتا ہے۔خدا کا حکم سمجھ کر دعا میں الحاح کرتے ہیں لیکن اللہ کے فیصلے پر دل سے راضی ہوتے ہیں۔خلق خدا کو مستفید کرنے پر حریص ہوتے ہیں لیکن اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔یہ سب سے اونچا مقام عبدیت محض (خالص بندگی) کو سمجھتے ہیں۔

سوال: غلبہ حال میں شرع کو چھوڑ دینے سے معذور ہونے کی وضاحت کریں؟

جواب۔اچھا سوال ہے۔بعض دفعہ کسی حال مثلاً محبت، خوف وغیرہ کا دل پر ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ وقتی طور پر عقل کام نہیں کرتی۔چونکہ انسان شریعت کا اس وقت مکلّف ہوتا ہے جب عقل کام کرتی ہو اس لیے ایسی حالت میں ممکن ہے کہ وہ شریعت پر مکمل عمل نہ کر سکے۔پس اگر وہ اس حالت میں کہ اس کی عقل کام کر رہی ہوتی اور شریعت پر عمل نہ کر رہا ہوتا تو گنہگار ہوتا لیکن اب چونکہ عارضی طور پر اس کی عقل جزوی طور پر کام نہیں کر رہی ہے اس لیے اس وقت وہ گنہگار تو نہیں ہے لیکن قابل اقتداء بھی نہیں ہے۔

سوال: تصوف کے ذرائع میں مجاہدہ کو بھی ایک ذریعہ بتایا جاتا ہے یہ مجاہدہ کیا ہوتا ہے؟
جواب۔ نفس جن خواہشات کی وجہ سے اعمال میں رکاوٹ بنتا ہے ان کے توڑ کے لیے، ان کو ضرورت کے درجے تک لانے کے لیے مناسب وقت تک ان خواہشات کی تکمیل سے نفس کو اس حد تک روکنا کہ وہ اعمال کے کرنے میں رکاوٹ نہ بنے، مجاہدہ کہلاتا ہے۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے مثلاً تکثیر نوافل سے نماز کا عادی ہونا اور روزہ کی کثرت سے حرص طعام کو کم کرنا۔ دوسری قسم ہے معصیت کے تقاضے کی مخالفت۔ اصل مجاہدہ یہی دوسرا ہے اور پہلا اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

سوال: وہ کونسی خواہشات ہیں جن کے لیے نفس اعمال میں رکاوٹ بنتا ہے؟
جواب۔ ویسے تو بہت سی ہیں لیکن علماء نے ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔
1- حب جاہ:۔ یعنی بڑا اور ممتاز ہونے کی خواہش۔
2- حب باہ:۔ یعنی لذات حاصل کرنے کی خواہش۔
3- حب مال:۔ یعنی بہت مالدار ہونے کی خواہش۔

سوال: مال تو اس لیے جمع کیا جاتا ہے کہ آدمی بڑا بنے اور لذتوں کو حاصل کرے تو پھر حب مال کا الگ شعبہ کیوں بنا؟
جواب۔ جی نہیں۔ ہر دفع ایسا نہیں ہوتا، اس لیے بعض لوگ مال کو جمع کرنے کی کوشش میں اپنی عزت کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں مثلاً ڈوم وغیرہ اور بعض اوقات مال کے ساتھ اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ اس کو اپنے آرام کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جاتا جیسے بنیئے کا یہ عمل کہ چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے۔

سوال: آج کل کے دور میں مال کی محبت کو کم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟
جواب۔ کم از کم یہ طریقہ ہے کہ جن کو مال کی محبت ہے ان کی صحبت سے دور رہے۔ متوکلین کی صحبت اور موت کی یاد اس میں زیادہ تر معاون ہو سکتی ہے نیز دنیاداروں کی صحبت سے حتی الوسع اجتناب کرنا چاہیئے۔ رفاہی کاموں میں مخلصین کے مشورے سے ریا سے بچتے ہوئے

حصہ لینا بھی مفید ہے۔ ایسے لوگوں کے واقعات زیادہ پڑھیں جو مال کی محبت سے بچتے ہیں اور اللہ تعالی کے راستے میں مال کو خرچ کرتے ہیں اور مال کی محبت سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور پھر سلوک سب سے بڑا راستہ ہے جب یہ طے ہو جاتا ہے۔ اور انسان کا دل اللہ کے ساتھ لگ جاتا ہے تو مال کی محبت دور ہو جاتی ہے۔

سوال: آجکل کے دور میں گھر، گاڑی اور دوسری چیزوں کی محبت کو کیسے کم کیا جا سکتا ہے؟

جواب۔ ضرورت کے درجہ میں ان کا حصول ممنوع نہیں ہے۔ ضرورت سے زیادہ ہو تو اس بات کو سوچا کرے کہ کتنے لوگ ہیں کہ ان کی ضروریات بھی پورے نہیں ہیں۔ بجائے اس کے میں اپنے آپ کو غیر ضروری چیزوں میں پھنساؤں مجھے لوگوں کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا چاہیئے تا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اور یہ بھی سوچے کہ دنیا ارمان پورے کرنے کے لئے نہیں ہے۔ اعمال پورے کرنے کے لئے ہے۔ ہمارے ارمان تو جنت میں پورے ہوں گے ان شاءاللہ۔ یہاں تو گزارہ کرنا ہے۔ اس لئے یہ سوچے کہ جو چیزیں میں یہاں چاہتا ہوں اور وہ مجھے میسر نہیں ان کی وہاں حصول کے لئے جو میرے پاس یہاں میسر ہیں یعنی اعمال کرنے کی صلاحیتیں ان کو بروئے کار لا کر ان نعمتوں کو وہاں حاصل کرنے کی کوشش کروں۔

سوال: کیا مجاہدات میں ان خواہشات کی تکمیل سے بالکل روکا جاتا ہے؟

جواب۔ نہیں۔ ضرورت کے درجے میں اجازت دی جاتی ہے اور ضرورت ہر ایک کی مختلف ہوتی ہے۔ جس کی اصلاح نہیں ہوئی اس کو تو بعض اوقات جائز خواہشات کی تکمیل سے بھی روکا جا سکتا ہے۔

سوال: جائز خواہشات کی تکمیل سے کیوں؟ کیا یہ شریعت میں مداخلت نہیں؟

جواب۔ ہرگز نہیں۔ یہ اصلاح کے لیے ایک عارضی عمل ہے جیسا کہ فوج کی تربیت میں بعض دفعہ فوجیوں کو عام کھانا بھی نہیں دیا جاتا یا ناکافی دیا جاتا ہے یا معیاری نہیں دیا جاتا۔

حالانکہ آرمی کے پاس کھانے کو کیا نہیں ہوتا؟ بلکہ یہ اس لیے کہ جنگ میں اگر ناخوشگوار حالات پیش آئیں تو اس کے لیے یہ تیار ہو جائیں۔شریعت میں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔روزہ میں جائز کھانا پینا اور نفسانی خواہش کی تکمیل ایک معین وقت کے لیے روکی جاتی ہے تا کہ اس سے تقویٰ حاصل ہو۔سب سے بڑھ کر یہ کہ سب اسی لیے کرایا جاتا ہے کہ شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔دوسری تشریح اس کی یوں ہے کہ جیسے ایک کاغذ کو لپیٹا جائے اب اس کو سیدھا رکھنے کی کوشش کی جائے گی تو ناکامی ہوگی۔اس کے لیے کاغذ کو دوسری سمت میں لپیٹنا پڑتا ہے جس سے کاغذ بالکل سیدھا ہوسکتا ہے۔اسی طرح جو نفسانی خواہشات میں پوری طرح گھرا ہوا ہو، عارضی طور پر اسے جائز خواہشات کی تکمیل سے بھی بغرض علاج روکا جاتا ہے۔

سوال: اس مجاہدہ کو پھر کب ساقط کیا جاتا ہے؟

جواب۔جب اصلاح ہو جائے تو پھر صرف ناجائز سے روکا جاتا ہے جائز خواہشات کی تکمیل پر کوئی پابندی نہیں رہتی جیسے افطار کے وقت ہوتا ہے۔

سوال: آجکل کے دور میں مجاہدے کی ضرورت کس حد تک ہے؟

جواب۔ہر دور میں اس حد تک مجاہدے کی ضرورت رہتی ہے کہ نفس کی خواہش شریعت کے حکم پر غالب نہ آسکے کیونکہ مجاہدے سے نفس کا شریعت سے بغاوت کو توڑنا ہوتا ہے۔بغیر مجاہدے کے نفس کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔دل کی اصلاح البتہ ذکر کے ذریعے ہوسکتی ہے۔ لیکن ذکر سے نفس کی اصلاح نہیں ہوتی۔تو نفس کی اصلاح کے لئے تو مجاہدے کی ضرورت ہے۔اور آج کل نفس ہی زیادہ بے لگام ہے۔اس وجہ سے مجاہدے کی ضرورت ہے۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آجکل مجاہدے کے لئے مشکل سے آمادہ ہوتا ہے۔اس لئے مجاہدے پر زور مسلسل کم ہو رہا ہے نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔میرے پاس ایک سالک آئے اور کہا کہ میں نقشبند یہ سلوک سارا طے کر چکا ہوں لیکن رمضان میں کیبل سے جان نہیں چھوٹی اور رو پڑا۔میں نے کہا کہ تو نے ذکر کا سلوک تو طے کیا ہے مجاہدہ کا نہیں کیا

اسلئے تیرا دل تو صالح ہے تبھی تو اپنی کیفیت پر روتے ہو لیکن نفس کی چمک ابھی نہیں گئی اس لئے اس کے سامنے بے بس ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدے کی ضرورت آج بھی ہے لیکن اس کی کیفیت آج کل کے حالات کے مناسب ہونا چاہیئے ۔اس طرح ہر ایک کا مجاہدہ ایک جیسا ہوتا بھی نہیں ہے۔مثلا ایک آدمی ہے جو کبھی بھی بازار سے سودا سلف نہیں لایا۔اس کے لئے یہی مجاہدہ ہے کہ آپ اس کو بازار بھیج دیں کہ آپ سودا لے آئیں یہ اس کے لئے بہت بڑا مجاہدہ ہوگا ۔اور کسی کو آپ کہہ دیں کہ آپ باہر آجائیں اور گیٹ پر کھڑے رہیں اور جو جو باہر آتا رہے اس کو سلام کریں اور اس کو رخصت کریں۔یہ بھی بعض کے لئے مجاہدہ ہوتا ہے۔

سوال: مجاہدہ کیسے کیا جاتا ہے؟

جواب۔مجاہدہ میں مندرجہ ذیل چار چیزوں پر کنٹرول کیا جاتا ہے:

1- کھانا پینا

2-سونا

3-بولنا

4-ناجنس (جن لوگوں سے ملنے جلنے سے دل کا نقصان ہوتا ہو) سے ملنا جلنا

ان میں کمی بیشی سالک کی حالت اور قوت کے مطابق کی جاتی ہے۔تاہم آج کل قوت کی کمی کی وجہ سے یہ دونوں مجاہدات یعنی کم سونا اور کم کھانا تقریباً متروک ہو چکے ہیں۔البتہ بعض لوگوں کے لیے اس کو برقرار بھی رکھا جاسکتا ہے۔ یہ اصل میں شیخ کی تشخیص اور صوابدید پر منحصر ہے۔البتہ یہ جو دو باقی مجاہدات ہیں یعنی کم بولنا اور ناجنس سے کم ملنا جلنا یہ برقرار ہیں بلکہ آج کل ان کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔

سوال: کم کھانے اور کم سونے کا مجاہدہ متروک ہو چکا ہے؟ کیا مطلب؟

جواب۔پہلے یہ دو مجاہدے کافی کرائے جاتے ہیں اب اس پر باوجوہ زور نہیں دیا جاتا لیکن اس میں تفصیل ہے۔اگر کسی کے کھانے کی طلب اتنی ہو کہ وہ اس کی صحت کے لئے

نقصان دہ ہو یا شریعت کے حکم کو تڑوا سکتی ہو تو اس کے لئے متروک نہیں ہے بلکہ لازم ہے تاہم اس کے لئے یہی مجاہدہ کافی ہوگا کہ وہ اس کو اعتدال پر لے آئے۔ حضرت تھانویؒ کے مریدوں میں ایک مرید کی شکایت کی گئی کہ یہ زیادہ کھانا کھاتا ہے۔ حضرتؒ نے اس سے پوچھا تو جواب دیا کہ حضرت میں گھر میں چار روٹیاں کھاتا ہوں لیکن خانقاہ میں دو پر گزارہ کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر تو ٹھیک کرتے رہو۔ ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ ہماری جسم کی ضرورت تو بہت کم کھانے سے بھی پوری ہو جاتی ہے باقی تو ہم مستی کرتے ہیں۔ بس اس مستی سے نکلنے والا مجاہدہ باقی ہے۔ اس طرح ہم ضرورت سے زیادہ سونے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس کو ضرورت تک سونے تک محدود کرنا مجاہدہ ہوگا۔ اعتدال پر لانے کے لئے اگر تربیتی مجاہدے کی ضرورت ہو تو کم کھانے کا مجاہدہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ کھایا جائے اور ایک ہفتہ مجاہدہ کیا جائے۔ یہ صوم داؤدی کے مشابہ ہے اور انتہائی مفید ہے کیونکہ اس میں مجاہدہ بڑھ جاتا ہے لیکن کمزوری نہیں ہوتی تو مجاہدے کا فائدہ تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن نقصان سے بچ جاتا ہے۔

سوال: یہ کم بولنے کا مجاہدہ سمجھ میں نہیں آیا؟ نہ بولنے میں کیا مشکل ہے۔

جواب۔ کمال ہے۔ آپ دیکھتے نہیں یہ جھوٹ بولنا اور غیبت کرنا آخر کیوں ہوتا ہے؟ اگر آدمی بغیر شرعی ضرورت کے نہ بولے تو پھر جھوٹ اور غیبت کا وجود ہی ختم ہو جائے لیکن یہی بولنے کی جو خواہش ہے بعض دفعہ گناہ پر مائل کر دیتی ہے اس لیے اس مجاہدے کی ضرورت ہے۔ جن کو بولنے کی خواہش ہو ان کے لیے یہی مجاہدہ سب سے مشکل ہوتا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ شعراء اپنی شاعری سنانے کے لیے کتنے جتن کرتے ہیں؟ آخر وہ بھی تو یہی بولنے کا شوق ہے نا!

سوال: کیا مجاہدات صرف یہی ہیں جن کا آپ نے ذکر کیا ہے یا ان کے علاوہ اور بھی ہیں؟

جواب۔ اوپر جن مجاہدات کا ذکر ہے وہ اختیاری ہیں البتہ غیر اختیاری یا اضطراری مجاہدہ بھی ہوتا ہے اور یہ فائدہ میں اختیاری مجاہدہ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ اختیاری مجاہدہ انسان

کی تجویز سے ہوتا ہے اور غیر اختیاری مجاہدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ انسان کی حالت کو خود انسان سے زیادہ جانتا ہے اس لیے اس میں فائدہ زیادہ ہے۔

سوال: اگر غیر اختیاری مجاہدہ زیادہ مفید ہے تو کیا اس کے لیے دعا بھی کی جاسکتی ہے؟

جواب۔نہیں۔اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرنی چاہیئے۔اسی میں عاجزی ہے اور عاجزی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔

سوال: اگر کسی صاحب پر غیر اختیاری مجاہدہ آجائے تو اس وقت وہ کیا کرے؟

جواب۔اگر اللہ تعالیٰ خود کسی پر غیر اختیاری مجاہدہ بھیج دیں تو اس کو پھر صبر کرنا چاہیئے۔اگر وہ تکلیف قابل دفع ہو تو اس کو دفع کرنے کی جائز کوشش کی جائے اور اس کے لیے دل سے دعا کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔البتہ زبان سے کوئی حرف شکایت ادا نہ ہو۔انا للہ و انا الیہ راجعون کی تلاوت اس وقت کی دعا ہے اور اگر وہ مصیبت قابل دفع نہ ہو تو اس پر صبر کرنا ہی اس وقت کا تقاضا ہے۔اس وقت استقامت کی دعا کرنی چاہیئے اور مندرجہ بالا دعا اس وقت کی بھی دعا ہے۔

سوال: اختیاری مجاہدہ اور رہبانیت میں کیا فرق ہے؟

جواب۔ اختیاری مجاہدہ کو دین نہیں سمجھا جاتا ہے صرف بضرورت کیا جاتا ہے جب ضرورت نہ رہے ترک کر دیا جاتا ہے۔اس کے مقابلے میں رہبانیت میں اپنے آپ کو ایذا دینا دین سمجھا جاتا ہے۔یہ اسلام میں نہیں ہے۔

سوال: آج کل کے دور میں مجاہدہ کیسے کرایا جاتا ہے؟

جواب۔یہ شیخ کے اجتہاد پر موقوف ہے اس لئے اس کا عام قاعدہ سمجھانا ممکن نہیں۔ہر شخص کے مجاہدے کا معیار الگ ہے۔حالات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہر ایک کا مجاہدہ مختلف ہوتا ہے بہر حال مجاہدے کی ضرورت ہر دور میں ہے اور ہوتا ہے۔اور یہ شیخ کی بصیرت پر ہوتا ہے کہ وہ کسی کو کونسا مجاہدہ دیتا ہے۔البتہ اس میں ایک چیز میں آپ کو بتاؤں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مجاہدہ کریں لیکن جب مجاہدہ آتا ہے تو پھر اس سے بھاگتے ہیں۔گویا ان کا

جی چاہتا ہے کہ ہمیں اپنی مرضی کے مجاہدے کے لئے کہا جائے تو پھر یہ تو مجاہدہ نہیں۔جس چیز میں اپنی مرضی شامل ہو وہ مجاہدہ نہیں ہوتا۔مجاہدہ تو وہی ہے جو آپ کی طبیعت کے خلاف ہو۔نفس کے خلاف ہو۔تو تبھی وہ مجاہدہ ہوتا ہے۔بعض دفعہ کسی کے لئے جو مجاہدہ ہوتا ہے وہ دوسرے کیلئے مجاہدہ نہیں ہوتا۔اس لئے اس کا فیصلہ شیخ پر چھوڑنا چاہیئے۔

سوال: آجکل کے دور میں خلوت کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔خلوت کا مطلب آنکھوں، کانوں اور زبان کو عمومی ماحول سے منقطع کرنا ہوتا ہے۔یہ جس وقت جس طرح بھی میسر آئے،خلوت ہے بشرطیکہ اس سے شہرت اور خشکی نہ ہو۔آج کل کے دور میں اس پر عمل یوں ہوسکتا ہے کہ یا تو کسی باشرع شیخ کی رہنمائی میں خانقاہ میں قیام کرے یا کسی مسجد میں بنیت خلوت وعبادت اعتکاف کرے یا پھر جہاں خلوت گاہیں ہوں وہاں وقت گزارے اور یہ آج کل بہت کم ہیں البتہ موجود ہیں تلاش پر مل سکتی ہیں۔

سوال: نفلی روزیں رکھنا کیا کم کھانے کے مجاہدے کا بدل ہوسکتا ہے؟

جواب۔کیوں نہیں۔تاہم اس کو مجاہدے کی نیت سے جب کرنا ہو تو سحری اور افطار میں مستی کے کھانے کی بجائے ضرورت کے درجے میں کھانا کھایا جائے۔

سوال: آپ نے ذرائع میں فاعلہ کا ذکر بھی کیا تھا یہ کیا ہوتا ہے؟

جواب۔انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے عجیب قوتیں رکھی ہیں۔چند اعمال ایسے ہوتے ہیں جن سے یہ قوتیں برانگیختہ ہوجاتی ہیں۔مثلاً مسمریزم (Hepnatism) وغیرہ سے انسان عجیب عجیب کام لے سکتا ہے۔اس طرح کسی چیز کا تکرار اور تصور بھی ایسی قوتیں ہیں جن کو نفسیات اور کیفیات میں بڑا دخل ہے۔ذکر،شغل اور مراقبہ ان ہی دو قوتوں کے استعمال کے نمونے ہیں جن سے انسان کیفیات حاصل کرسکتا ہے۔ذکر شغل اور مراقبہ اختیاری اعمال ہیں اور کیفیات غیر اختیاری۔لیکن یہی غیر اختیاری کیفیات بعض اختیاری اعمال کے لیے ذریعہ بن جاتی ہیں اس لیے ذکر،شغل اور مراقبہ خود ان مقاصد کے ذرائع بن گئے۔

ان اعمال کو فاعلہ کہتے ہیں۔

سوال: ذکر کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔اللہ تعالیٰ کی یاد کو ذکر کہتے ہیں۔

سوال: کیا مسنون تسبیحات بھی ذکر ہیں؟

جواب۔مسنون تسبیحات بھی ذکر ہی ہیں۔اس کی مثال غذا کی ہے البتہ اس کے علاوہ بعض اذکار ہیں جو علاج کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ان کی مثال دوا کی ہے۔یہاں ذریعہ کے طور پر جس ذکر کے بارے میں کہا گیا وہ یہی علاج والا ذکر ہے۔

سوال: ذکر سے علاج کیسے ہوتا ہے؟

جواب۔ذکر سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کی جاتی ہے اور محبت تمام فضائل کی کنجی ہے۔نفی اثبات میں تمام بری محبتوں کی نفی کی جاتی ہے۔جتنا جتنا یہ ذکر دل و دماغ میں رچے گا اتنی اتنی غیر کی محبت دل سے نکلے گی اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آئے گی اور بندے کی اصلاح ہوتی رہے گی۔

سوال: ذکر کیسے کرنا چاہیئے؟

جواب۔اس کا جواب یہاں مشکل ہے کیونکہ یہ ہر شخص کی حالت پر منحصر ہوتا ہے اس لیے کوئی عام قانون اس کے بارے میں نہیں بتایا جاسکتا۔اسی لیے تو شیخ کا ہاتھ پکڑا جاتا ہے۔ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے دل سے بھی ہوتا ہے،سانس سے بھی ہوتا ہے اور خیال سے بھی۔جس کے لیے جو اور جیسے مناسب ہو وہ بتایا جاتا ہے اور پھر اس کی نگرانی کی جاتی ہے تاکہ اس کے ثمرات حاصل ہوسکیں۔

سوال: بعض لوگ ذکر بالجہر کرتے ہیں۔خدا تعالیٰ تو ہر ایک کی خاموش بات بھی سنتا ہے تو زور سے ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب۔جب ذکر ثواب کے لیے کیا جائے تو اس کے لیے بیشک خاموشی کے ساتھ ذکر کیا جائے کہ آدمی اپنی آواز کو صرف خود سنے تاکہ دوسرے کے کسی ضروری کام میں حرج نہ ہو یا

کسی کو تکلیف نہ ہو۔ کیونکہ اس کو ہر وقت کرنا چاہیئے اور ہر وقت ایسی جگہ کا ملنا کہ اس کے ذکر جہر سے لوگوں کو حرج نہ ہو عملاً بہت مشکل ہے۔ تلاوت قرآن بھی اسی حکم میں ہے۔ البتہ جو ذکر علاج کے لیے کیا جاتا ہے اس میں جہر، ثواب کے لیے نہیں بلکہ وساوس کو دفع کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ نیز اچھی آواز دل کو متاثر کرتی ہے پس خوش آوازی کے ساتھ ذکر جہر دل کو متاثر کرتا ہے۔ اس لیے اگر اس کو ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: تو کیا اونچی آواز سے ذکر کرنے میں ریاء کا اندیشہ نہیں ہوتا؟

جواب۔ لیکن اس اندیشے کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ دل میں ریاء کی نیت نہ ہو یہ کافی ہے۔ باقی ریاء کا وسوسہ ریاء نہیں۔ نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اتنا ذکر کرو اتنا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں ریاکار کہہ دیں اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اتنا ذکر کرو اتنا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہیں۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس خوف سے کہ لوگ کیا کہیں گے ذکر سے رک جانا بھی ریاء ہے۔

سوال: انفرادی طور پر ذکر بالجہر کی گنجائش تو نکل آئی لیکن کیا اجتماعی طور پر بھی ذکر بالجہر کیا جاسکتا ہے؟

جواب۔ جو دلائل انفرادی ذکر بالجہر کے لیے قابل سماعت ہیں وہ اجتماعی کے لیے بھی ہیں۔ آپ ذرا غور فرمائیے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کو اگر دل کی صفائی کا ذریعہ سمجھا جائے تو چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی نہ صرف جائز بلکہ مفید ہے۔

سوال: ایسا اجتماعی ذکر کہ لوگ اپنا اپنا ذکر کر رہے ہوں یہ تو ہمارے اکابر کا طریقہ رہا ہے لیکن ایسا اجتماعی ذکر جس میں ایک آدمی سب کو ایک آواز میں ذکر کرا رہا ہو اس کا اپنے اکابر میں ثبوت نظر نہیں آتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی مثال نماز کی طرح ہو جاتی ہے کہ ایک امام ہو اور باقی مقتدی اس لیے یہ دین میں زیادتی ہے؟

جواب۔ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ہمارے بڑے ہیں۔ ان

کے ہاں اجتماعی ذکر بصوت واحد ہوتا تھا۔ حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں حضرت مولانا فقیر محمدؒ یہی ذکر کراتے تھے۔ یہ صرف ایک ذریعہ ہے۔ اس کا مقصد دل کو متاثر کرنا ہے جس میں اجتماعی صوت (آواز) کے اثر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ جہاد میں بھی جب ٹریننگ دی جاتی ہے تو اس میں بھی ایک امیر ہوتا ہے باقی لوگ اس کے مامور ہوتے ہیں اور وہ سب کو ایک آواز سے سب کچھ کرا رہا ہوتا ہے جس طرح وہ فقط ایک ذریعہ ہے اور غلط نہیں ہے اس طرح یہاں بھی ذکر اگر ایک آواز سے کرایا جائے اور اس کو مقصد نہ سمجھا جائے اور جو نہ کرے اس پر نکیر نہ کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: کیا ذکر بالجہر مسجد میں درست ہے؟

جواب۔ مسجد میں ذکر بالجہر کی مثال بچوں کو مسجد میں قرآن پڑھانے کی سی ہے۔ پس اگر کوئی اس وقت نماز نہیں پڑھ رہا ہو یا کوئی اور اجتماعی کام نہ ہو رہا ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: اگر کوئی ایک شخص بھی نماز پڑھ رہا ہو تو کیا اس وقت ذکر بالجہر جائز ہوگا؟

جواب۔ اگر وہ وقت کی فرض نماز ہے تو ذکر والوں کو اس کی رعایت ضروری ہے اور اگر نفل نماز ہے تو نماز والوں کو اس اجتماعی عمل کی رعایت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ نفل نماز کے لیے بہترین جگہ اپنا گھر ہے جیسا کہ بچوں کو قرآن پڑھانے کے سلسلے میں خیال کیا جاتا ہے۔

سوال: غذائی ذکر میں قرآن پاک، عام ذکر، درود شریف میں سے کس کا ثر زیادہ ہے؟

جواب۔ یہ سب غذا کی طرح ہے اور سب سے اپنا اپنا فائدہ ہوتا ہے۔ ہمارے اکابر گلدستہ کے قائل ہیں کہ ایک جامع ترتیب اختیار کی جائے۔ قرآن پاک کی تلاوت روزانہ باقاعدگی کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ اس طرح ہر وقت زبان ذکر سے تازہ رکھنے کے لئے بھی فرمایا گیا ہے اور درود شریف کا تو اللہ تعالیٰ نے براہ راست سارے مؤمنوں کو ایک عجیب انداز سے حکم فرمایا ہے۔ اس لئے سب کا حصّہ ہونا چاہیئے البتہ بعض لوگوں کے لئے بعض مواقع پر ان میں سے کسی کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کا فیصلہ شیخ پر چھوڑنا چاہیئے۔

سوال: بعض لوگ قرآن کی مخصوص صورتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور روان تلاوت کا

اہتمام نہیں کرتے کیا یہ کافی ہے؟

جواب۔ یہ لوگ ان لوگوں سے تو یقیناً بہتر ہیں جو بالکل تلاوت نہیں کرتے البتہ ان لوگوں کے برابر نہیں جو رواں تلاوت بھی کرتے ہیں اور مخصوص فوائد کے لئے مخصوص سورتیں بھی پڑھتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کی ہر آیت کے ساتھ ایک مخصوص تجلی ہوتی ہے وہ اس کے بغیر کیسے ملے گی؟

سوال: آپ نے فرمایا تھا کہ ذکر دل سے بھی ہوتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے؟

جواب۔ جی ہاں یہ ممکن ہے اور انتہائی لذیذ اور مفید ذکر ہے۔

سوال: اس کی کچھ مزید تفصیل بتا سکتے ہیں؟

جواب۔ جی ہاں، اس کو حاصل کرنے کے طریقے ہیں۔ نقشبندیہ میں یہ ابتدا میں تلقین کیا جاتا ہے جبکہ چشتیہ میں کچھ تیاری کے بعد یہ تلقین کیا جاتا ہے اور بعض کو ذکر لسانی کثرت سے کرنے سے یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ زیادہ پائیدار ہوتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ ہر وقت اور ہر جگہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے ذکر قلبی سے آدمی دائم الذکر بن سکتا ہے۔ یہی ذکر قلبی جب مزید راسخ ہو جاتا ہے تو اس کا اثر جسم کے دوسرے حصوں میں سرایت کر جاتا ہے اور مختلف مقامات پر اس کا اثر محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس وقت ان کو لطائف کا جاری ہونا کہتے ہیں۔

سوال: کیا یہ لطائف خود بخود جاری ہوتے ہیں یا ان کو کوشش سے بھی جاری کیا جا سکتا ہے۔

جواب۔ جی ہاں یہ کوشش کی جا سکتی ہے۔ نقشبندیہ حضرات ان کو یکے بعد دیگرے ایک ترتیب سے جاری کرتے ہیں اور چشتی حضرات صرف قلب کو اصل لطیفہ سمجھتے ہیں اور باقی لطائف کو اس کی فروعات مانتے ہیں جو کہ قلب پر محنت سے خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔

سوال: اس چیز کا پتہ کیسے چلتا ہے کہ لطائف جاری ہوئے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ ہر ہر لطیفہ کی اپنی جگہ ہے۔ لطیفہ قلب دل کی جگہ، لطیفہ روح بائیں پستان کے نیچے قلب کے محاذ میں ہوتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان لطیفہ سر ہوتا ہے۔ ہونٹوں اور بعض کی

تحقیق کے مطابق پیشانی کے مقام پر لطیفہ خفی ہوتا ہے اور ام الدماغ یعنی سر کے بیچ لطیفہ اخفیٰ ہوتا ہے۔لطیفہ نفس ناف کے مقام پر ہوتا ہے۔ان کے مقامات میں بعض کشفی اختلافات بھی ہیں۔ان مقامات پر سالک کو ذکر محسوس ہوتا ہے جو کہ اللہ اللہ، اللہ ہو یا لا الہ الا اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ان مقامات کے اپنے انوارات بھی ہوتے ہیں جو اہل کشف کو نظر آتے ہیں۔اس لیے بعض حضرات نے ان کے انوارات کے بارے میں بھی تحریر فرمایا ہے لیکن ان انوارات کا سب کو نظر آنا ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ کشفی ہیں اور بعض کو کشف سے مناسبت نہیں ہوتی۔لیکن کشف کوئی مقصود نہیں ہے۔

سوال: کشف تو بڑی مفید چیز ہے تو پھر یہ مقصود کیوں نہیں؟

جواب۔ہمارا مقصد چونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے جس کے لیے کشف کا ہونا ضروری نہیں۔اس لیے مقصود کیسے ہوسکتا ہے؟ جہاں تک اس کے مفید ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس کے استعمال پر موقوف ہے بعض کے لیے نعمت ہوتا ہے بعض کے لیے آزمائش۔اس لیے جن کو خود بخود حاصل ہو جائے وہ تو اس کی قدر کریں اور اس کا صحیح استعمال کریں اور جن کو نہ دی جائے وہ اس پر شکر کریں اور اس کے نہ ملنے کی کوئی پرواہ نہ کریں۔

سوال: کشف ہوتا کیا ہے؟

کشف کا مطلب کسی چیز کا پردہ سے باہر آ جانا۔اس کی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم تکوینی، یعنی ماضی، حال، مستقبل کی کسی بات یا کام کا پتہ چلے یا دور و نزدیک کسی بات یا چیز کا پتہ چلے جس کو عام لوگ اپنے عام حواس سے معلوم نہ کرسکیں۔دوسری قسم علمی، جس میں کسی بات کے صحیح اور درست ہونے کا پتہ چلے۔یہ دوسری قسم کا کشف بہت مفید ہے اس کی دعا بھی کرنی چاہیئے۔اس کو شرح صدر کہا گیا ہے۔قرآن میں اس کی دعا رب الشرح لی صدری حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہے۔

سوال: یہ آخری کشف تو پھر مقصود ہوا نا پھر اس کو غیر مقصود کیسے کہہ سکتے ہیں؟

جواب۔میں نے یہ کہا ہے کہ اس کے لیے دعا کی جاسکتی ہے یہ مفید ہے پھر اللہ تعالیٰ جس

کے لیے جو مناسب سمجھے اس پر راضی رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونا تصوف کے مقاصد میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ اس کے احوال کے مطابق معاملہ کرتا ہے اس لیے جس کو جتنے وسائل دیئے گئے ہیں اس سے اتنا ہی پوچھا جائے گا۔

سوال: آپ نے مراقبہ کے بارے میں بھی فرمایا تھا یہ کیا ہوتا ہے؟

جواب۔ مراقبہ دل کی سوچ کو کہتے ہیں۔ کسی مطلوب بات کا اس طریقے سے سوچنا کہ وہ مطلوب حاصل ہو جائے مراقبہ کہلاتا ہے۔ انسان کی قوت تصور بہت عجیب ہے اگر اس سے کام لیا جائے تو بڑے بڑے کام ہو سکتے ہیں۔ بعض حضرات اس چیز کو بہت ہلکا سمجھتے ہیں کہ سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ حضرات یہ بھول جاتے ہیں کہ مذہب میں تو سب کچھ تصور سے ہوتا ہے۔ عقائد سب تصورات ہیں جو کہ دین کی اساس ہیں۔ محبت کے ہونے نہ ہونے میں تصور کو بہت دخل ہے۔ فکر تصور ہی کی ایک قسم ہے جس سے اعمال وجود میں آتے ہیں۔ اس لیے دل کی سوچ کو ترتیب دینے کے لیے مشائخ اس قوت سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں۔ مراقبہ سے اچھے گمان کا حصول ممکن ہے۔

سوال: کیا تصور اور یقین ایک ہی چیز ہے؟

جواب۔ تصور باب تفعل سے ہے یعنی بتکلف کسی چیز کو ذہن میں لانا اور یقین اس چیز کو کہتے ہیں کہ اس پر دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ پس کسی چیز کو عقلی طور پر دل میں جمانے کے لیے پہلا قدم تصور کا ہوتا ہے اور اس سے یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ تصور کرنا شروع کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو آہستہ آہستہ اس کی ایسی کیفیت ہو جائے گی کہ وہ یہ محسوس کر رہا ہوگا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ''احسان کیا ہے؟'' کے جواب میں فرمایا تھا کہ تو ایسی عبادت کر کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے ورنہ اتنا تو سمجھ کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس میں گویا اشارہ تصور سے حاصل شدہ یقین کی طرف ہے۔

سوال: کونسا مراقبہ سب کے لیے مفید ہے؟

جواب۔عمل سے پہلے نفس کی فہمائش کا مراقبہ کہ اس کو نیک اعمال کے لیے تیار کیا جائے اس کو مشارطہ کہتے ہیں۔عمل کے بعد اپنا محاسبہ کہ وہ عمل کیسے کیا ہے؟ پس اگر اچھا کیا ہے تو اس کو اللہ کی طرف سے سمجھ کر اس پر شکر کرنا اور اگر اس میں کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو اس پر استغفار کرنا۔ یہ مراقبہ روزانہ سب کو کرنا چاہیئے۔نہایت مفید ہے۔

سوال: کیا مراقبہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

جواب۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔وَالْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٌ یعنی چاہیئے کہ دیکھ بھال لے ہر شخص کہ اس نے کل قیامت کے لیے کیا چیز آگے بھیجی ہے؟ یہ مراقبہ ہے اور اس کا حکم ہے۔اور حدیث احسان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو جیسے کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ ہی رہا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھو اس کو اپنے سامنے پاؤ گے۔

سوال: مراقبہ کا نماز کے خشوع وخضوع کے حصول میں کیا کردار ہے؟

جواب۔مراقبہ سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور کسی خاص کیفیت کے حصول کے لئے اپنے جسم کے تمام قویٰ کو مرتکز کرنے کا ڈھنگ حاصل ہوتا ہے۔یہی تجربہ خشوع وخضوع کے حصول میں بھی فائدہ دیتا ہے۔مثلا مراقبہ میں یہ تصور کر رہا ہے کہ اللہ پاک میرے دل کو محبت کے ساتھ دیکھ رہے ہیں تو نماز میں بھی یہ کرے کہ میں اللہ پاک کے سامنے کھڑا ہوں۔تو یہ مراقبہ اگر اس کا پکا ہو گیا تو اس کی نماز واقعی نماز ہوگئی۔خضوع وخشوع کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان یہ سوچے جیسے حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ ان تعبدو اللّٰہ کانك تراہ و ان لم تکن تراہ فانه یراك جب یہ چیز کسی کو حاصل ہوگئی تو اس کی نماز بھی بہترین بن جائے گی۔

سوال: مراقبات کا کیا دنیاوی زندگی میں بھی کوئی فائدہ ممکن ہے؟

جواب۔مرقبات ذکر کی ایک صورت ہے۔اس سے دل کا سکون ملتا ہی ہے اس لئے دل کا سکون جو اس کا دنیاوی فائدہ ہے مل سکتا ہے۔اس طرح ایک سٹوڈنٹ ہے اور وہ پڑھ رہا

ہے اور اس کو پڑھائی میں اس کی توجہ مرکوز (conscentration) نہیں ہو رہی اگر وہ مراقبے کا عادی ہے تو مطالعہ میں اس کو توجہ (conscentration) حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن سالک کو یہ اس مقصد کے لئے یہ نہیں کرنا چاہیئے ورنہ اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔

سوال: مراقبات کی کتنی اور قسمیں ہیں؟

جواب۔ کئی قسمیں ہیں جن کی تفصیل یہاں نہیں دی جا سکتی ہے اس کے لیے بندے کی کتاب فہم التصوف کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

سوال: شغل کا نام بھی آپ نے لیا تھا، یہ کیا ہوتا ہے؟

جواب۔ دل میں جب وساوس کی وجہ سے انتشار بڑھ جائے جس سے یکسوئی فوت ہو جائے جو مبتدی کے لیے بہت ضروری ہے تو اس انتشار کو ختم کرنے کے لیے مشائخ بعض ایسے طریقے تلقین کرتے ہیں جس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ ایسے طریقوں کو اشغال کہتے ہیں۔

سوال: جب یکسوئی حاصل ہو تو کیا پھر بھی شغل کر سکتے ہیں؟

جواب۔ جیسا کہ تعریف میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ شغل مقصود بالذات نہیں بلکہ محض ایک مقصود کیفیت کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لیے اگر وہ کیفیت حاصل ہو تو پھر شغل کرنے کی کیا ضرورت ہے اس لیے پھر نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ وہ مشائخ جن کو کبھی شغل سے واسطہ نہ پڑا وہ دوسروں کو سکھانے کے لیے اس کا تجربہ کر سکتے ہیں۔

سوال: آپ کوئی آسان سا شغل بتا دیں گے۔

جواب۔ کتابوں میں کئی قسم کے اشغال لکھے گئے ہیں لیکن جیسا کہ کہا گیا کہ یہ فی نفسہٖ مقصود نہیں بلکہ یکسوئی کو حاصل کرنے کے لیے ہے اس لیے اس کی جب ضرورت ہوتی ہے تو شیخ خود ہی سالک کے لیے تجویز کر دیتا ہے۔ اس میں موقع محل اور سالک کی کیفیت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اس لیے اس کے انتخاب کا فیصلہ بھی شیخ پر چھوڑنا چاہیئے۔ فقط علمی طور پر ایک دو شغل کے بارے میں بتاتا ہوں تاکہ پتہ چلے کہ شغل ہوتا کیسے ہے؟

کسی کاغذ پر دل کی ایک خوبصورت تصویر بنائیے۔اس پر خوبصورت الفاظ سے لفظ اللہ لکھ دیجیئے ۔پھر اس کو روزانہ کچھ وقت مقرر کر کے دیکھا کریں جس سے قلب پر اللہ کی تصویر کا تصور قائم ہو جائے جس سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔اس طرح یہ تصور بھی کیا جاتا ہے کہ میرے ہر بال سے اللہ ہو کا ذکر ہو رہا ہے۔اس کی تفصیل میری کتاب **فهم التصوف** میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

سوال: ذرائع کے بارے میں آپ نے بعض ایسی فاعلات کا ذکر کیا تھا جن میں نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے وہ کونسی ہیں؟

جواب۔ماشاءاللہ: خوب یاد دلایا۔جن فاعلات میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ان میں تصور شیخ،سماع اور عشق مجازی ہیں۔

سوال: جب ان میں نقصان کا اندیشہ ہے تو پھر آخر ان کا استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب۔جی ہاں ان کے استعمال میں بہت احتیاط چاہیئے ۔یہ الگ بات ہے کہ ان کو دواؤں کی فہرست سے نکال نہیں سکتے کیونکہ بعض صورتوں میں ان سے احتیاط کے ساتھ استفادے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔عام دواؤں میں ان کی مثال سٹیرائڈز کی طرح ہے کہ ان کے استعمال کے لیے بہت اعلیٰ درجے کی مہارت کے حامل ڈاکٹر کی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔عام حالات میں تو ڈاکٹروں کو ان سے پرہیز کا بتایا جاتا ہے لیکن بعض اشد صورتوں میں ان کی ضرورت چونکہ پڑ سکتی ہے اس لیے ان کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہوتا ہے۔واللہ اعلم۔

سوال: تصور شیخ کیا ہوتا ہے؟

جواب۔جیسے اپنے شیخ کی مجلس میں بیٹھ کر انسان کو خدا یاد آتا ہے اور شیخ کی اچھی عادتیں خود بخود سالک میں سرایت کرتی جاتی ہیں پس اگر شیخ کی غیر موجودگی میں ان کے ساتھ بیٹھنے کا تصور کیا جائے تو ان فوائد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سوال: یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔اس میں خطرہ کس بات کا ہے؟

جواب۔اس میں خطرہ شیخ کو حاظر ناظر سمجھنے کا ہے۔کیونکہ سالک اپنے محبوب شیخ کے ساتھ محبت میں بہت کچھ وابستہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب سالک کے اخلاص اور طلب کی وجہ سے کسی موقعہ پر مدد کرتا ہے تو سالک اس کو شیخ کی طرف سے سمجھنے لگتا ہے جو آہستہ آہستہ شرک کی طرف چلا جاتا ہے۔تصویر کو بھی تو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ آہستہ آہستہ شرک میں بدلنے لگتی ہے۔یہ محبت ایسی چیز ہے کہ عقل کو سلب کر دیتی ہے اور شیخ کے ساتھ محبت فطری ہے اس لیے اگر اس کی تصویر دل میں بسالی جائے تو یہ بھی آہستہ آہستہ خطرے کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔

سوال: یہ تو واقعی بڑے خطرے کی بات ہے۔اگر شیخ کا خیال محبت کی وجہ سے ذہن اور قلب پر چھا جائے تو کیا اس کو دفع کیا جائے؟

جواب۔لفظ تصور باب تفعل سے ہے جس میں تکلف پایا جاتا ہے تو جو شَیخ کا تصور تکلف سے کرے گا تو وہ تو ناجائز ہوگا لیکن خود سے بے تکلف کسی کے دل میں شیخ کا خیال آئے تو وہ محبت کی وجہ سے ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: کیا تصور شیخ کے ان فوائد کو احسن طریقے سے حاصل کرنے کی کوئی صورت ہے؟

جواب۔ہاں۔شیخ کے دیئے ہوئے معمولات کی پابندی۔شیخ کے ملفوظات ،مکتوبات ، کتابوں کا مطالعہ،اپنے پیر بھائیوں کی مجلس میں اپنے شیخ کا تذکرہ اور شیخ کے لئے دعا وغیرہ سے یہ فوائد تو حاصل ہو جاتے ہیں لیکن نقصان نہیں ہوتا۔

سوال: سماع اکثر صوفیاء کرام کے ہاں عام ہے کچھ اس کے بارے میں بتائیں گے؟

جواب۔سماع کسی اچھے کلام کو اچھی آواز میں سننے کو کہتے ہیں۔

سوال: اس کے ساتھ موسیقی کے آلات بھی ہو سکتے ہیں؟

جواب۔نہیں۔آپ ﷺ نے جب فرمادیا کہ میں آلات موسیقی کو توڑنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں تو پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

سوال: بعض بزرگوں مثلاً خواجہ نظام الدینؒ کے بارے میں جو کہتے ہیں کہ وہ قوالی سنتے تھے؟

جواب۔سنی سنائی باتوں کا کیا اعتبار؟تحقیق ہونی چاہیئے جب تک کسی بات کی سند نہ ہواس کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے چہ جائیکہ اس کی مخالفت مستند ہو۔یہاں بھی یہی صورت ہے۔ حضرت کے ملفوظات باب نمبر 27 (درنظامی) میں حضرت کا ملفوظ ہے۔

فرمایا:''سماع کی چار قسمیں ہیں ،حلال ،حرام ،مکروہ،مباح۔اگر صاحب وجد کا میلان حقیقت کی طرف ہے تو حلال۔اگر مجاز کی طرف ہے تو حرام ،اگر حقیقت کی طرف زیادہ ہے تو مباح اور مجاز کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے''۔فرمایا:''سماع کے واسطے کئی باتیں درکار ہیں جب یہ موجود ہوں تب سنیں۔مسمع ،مستمع ،مسموع اور آلہ سماع۔ان میں مسمع یعنی سنانے والا پورا مرد ہو۔امرد یا عورت نہ ہو،امرد نابالغ لڑکے کو کہتے ہیں۔سامع ،سننے والا بھی یادحق میں مشغول ہو،مسموع کلام فحش یا کسی کی ہجو نہ ہو،آلہ سماع یعنی مزامیر (آلات موسیقی) نہ ہوں۔تب یہ سماع سننا مباح ہے''

سوال: اس کے باوجود بھی بعض صوفیاء کرام سے مزامیر کے ساتھ سننا منقول ہے۔اس پر بھی روشنی ڈالیں؟

جواب۔نامکمل علمی معلومات علمی مصیبت ہوتی ہیں۔آپ کو بھی یہی بات پیش آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نکالے۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک ملفوظ فوائد الفواد میں نقل کیا گیا ہے کہ سماع کے ذکر آنے پر فرمایا:

''جو شے حرام ہے وہ کسی کے حکم سے حلال نہیں ہوتی۔پس اگر کوئی اس کو حلال بھی سمجھتا ہو تو ہمیں اپنے آپ کو بچانا ہے۔کسی اور کو بچاتے ہوئے ہم اپنے آپ کو کیوں غرق کریں؟''

سوال: تو جو صوفیاء ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں ہم کیا سوچیں؟

جواب۔کیا سوچیں۔اچھا سوچیں کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ ان کی باتیں ہم تک کتنے مستند طریقوں سے پہنچی ہیں۔اگر آپ ﷺ کی احادیث شریفہ میں لوگ جھوٹی باتیں شامل کرنے کی جسارت کرسکتے تھے تو اولیاء کرام کی باتوں میں یہ کیوں ممکن نہیں؟۔اس کے مقابلے میں موسیقی میں مزامیر کی مذمت شریعت میں انتہائی وضاحت کے ساتھ ثابت ہے۔

پس اول تو انہوں نے کیا نہیں ہوگا اور اگر کسی عذر میں کیا ہے تو وہ اس میں قابل تقلید نہیں رہے، صرف ان کو معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ تسلّی کے لیے حضرت سلطان جیؒ اور جن دوسرے اکابر کی تحریریں اس کے بارے میں وضاحت کے لیے موجود ہیں ایک طالب ہدایت کے لیے وہ کافی ہیں اور طالبِ ہوا و ہوس ہمارے مخاطب نہیں۔

سوال: عشق مجازی کا بھی فاعلات میں ذکر ہوا تھا کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے؟

جواب۔ عشق مجازی کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض جائز ہیں بعض ناجائز ہیں۔

جائز صورتوں میں بیوی کی محبت، اپنے بچوں کی محبت وغیرہ آتی ہیں۔ ناجائز صورت میں غیر محرم کے ساتھ محبت ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ امارد کی محبت بھی اس میں آتی ہے بلکہ یہ تو اشد ہے۔ ہر عشق مجازی کا اپنا اپنا استعمال ہے۔ جو جائز عشق مجازی ہے اس میں یہ کرنا پڑتا ہے کہ یہ عشق حقیقی کے تابع ہو جائے تو پھر اس پر اجر اور ثواب ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ اپنا وقت یا تو اپنے شیخ کے ساتھ گزارنا چاہیئے، یہ نہ ہو تو اپنی بیوی کے ساتھ اور یہ بھی نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیئے۔

ناجائز محبت ارادے سے تو بالکل نہیں کرنی چاہیئے لیکن اگر ہو جائے تو اگر اس کو جائز صورت دینا ممکن ہو تو جلد سے جلد اس کی کوشش کرنی چاہیئے یعنی شادی ممکن ہو تو کی جائے ورنہ اس سے دور رہے۔ اس کا خیال دل میں نہ لائے، اس محبت سے نکلنے کے لیے اپنے شیخ کی رہنمائی حاصل کرے۔ اگر اس محبت کی افراط سے اور عفت پر قائم رہنے سے جان بھی چلی جائے تو یہ بہت بڑی شہادت ہوگی۔

سوال: اخلاق سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ خُلق سیرت کو کہتے ہیں جس سے مراد کسی انسان کی باطنی حالت ہے اور اخلاق اس کی جمع ہے۔ پس جس کے باطنی احوال اچھے ہوں ہم اس کو خلیق کہتے ہیں یعنی اچھے اخلاق والا، اور بداخلاق وہ ہوتا ہے جس کے باطنی احوال اچھے نہ ہوں۔

سوال: لوگ تو مروت اور خوش مزاجی کو اچھے اخلاق کہتے ہیں۔ آپ کا اس کے بارے

میں کیا خیال ہے؟

جواب۔ جی ہاں یہ غلط العام ہے۔ عام لوگ ایسے لوگوں کو ہی اچھے اخلاق والا کہتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ یہی خوش گفتاری اور شیریں زبانی بداخلاقی بن جاتی ہے۔ مثلاً کوئی عورت کسی نامحرم سے نرم آواز میں مخاطب ہو تو اس عورت کو ہم بداخلاق کہتے ہیں کیونکہ شریعت اس کو حکم دیتی ہے کہ وہ نامحرم سے سخت لہجے میں بات کرے۔

سوال: اخلاق کی تعریف کو ذرا اور واضح فرما دیجئے؟ کیونکہ اس تعریف سے تشفی نہیں ہو رہی؟

جواب۔ جی ہاں، آپ نے ٹھیک کہا۔ اصل میں اچھا اخلاق، قوت شہوت، قوت عقل، قوت غضب اور قوت علم کے اعتدال کا نام ہے۔ ان میں سے کسی میں بھی بے اعتدالی انسان کو بداخلاق بنا دیتی ہے۔

سوال: قوت شہوت سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مراد جنسی قوت ہے؟

جواب۔ نہیں، بلکہ یہ ایک جامع لفظ ہے۔ اصل میں شہوت ہر انسان کے اندر اپنے نفع کے حصول کی خواہش ہے۔ اس میں افراط اور تفریط بداخلاقی ہے اور اعتدال اچھا خلق۔ اس میں افراط سے مراد خود غرضی ہے جس سے حرص وجود میں آتا ہے، جس سے دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے، چوری، زنا اور دوسری قسم کی حرام کاریاں وجود میں آتی ہیں۔ اس میں تفریط ڈپریشن (مایوسی) اور رہبانیت وغیرہ پیدا کرتی ہے۔

سوال: یہ تو آپ نے اچھی بات کی نشاندہی فرمائی۔ بعض حضرات تو تصوف کو رہبانیت سمجھتے ہیں؟

جواب۔ جی ہاں جاہل صوفیوں اور معاند نقادوں دونوں کا یہی خیال ہے حالانکہ جیسا کہ بتایا گیا کہ تصوف شریعت پر دل سے عمل ہے اور رہبانیت اسلام میں نہیں تو پھر تصوف میں رہبانیت کیسے ہو سکتی ہے؟

سوال: لیکن کیا صوفی تارک الدنیا نہیں ہوتے؟ راہب بھی تو تارک الدنیا ہوتے ہیں۔

جواب۔ جی ہاں صوفی تارک الدنیا ہوتا ہے لیکن کونسی دنیا کا؟ وہ دنیا جو کہ مذموم ہے اور

مذموم دنیا کے ترک کی ترغیب سے تو قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔تو کیا قرآن اور حدیث میں رہبانیت کی تعلیم ہے؟

سوال: قوت غضب کسے کہتے ہیں؟

جواب۔یہ اپنے سے شر کو دفع کرنے کا جذبہ ہے۔اگر یہ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو آدمی ظلم اور تہور کا شکار ہو جاتا ہے جس سے معاشرے میں تباہی آتی ہے اور تفریط بزدلی کو پیدا کرتی ہے۔اس کا اعتدال دلیری،شجاعت،بردباری اور استقلال کو پیدا کرتا ہے۔

سوال: قوت علم سے کیا مراد ہے؟

جواب۔قوت علم سے انسان کسی چیز کے بارے میں جان سکتا ہے۔یہ انسان کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت تمام مخلوقات سے زیادہ ہے۔یہ اور بات ہے کہ یہ اپنے علم کو پھر اللہ کی رضا کے لیے استعمال کرتا ہے یا نفس کو خوش کرنے کے لئے۔

سوال: کیا ہر طرح کا علم مفید ہے؟

جواب۔نہیں۔بعض علوم مقصود ہیں۔بعض مباح ہیں اور بعض کا حاصل کرنا حرام ہے۔

سوال: کیا کسی علم کا حاصل کرنا حرام بھی ہوسکتا ہے؟

جواب۔کیوں نہیں۔کیا جادو کا علم حاصل کرنا حرام نہیں؟۔اس طرح موسیقی کا علم ہے۔نفس کو خوش کرنے کے اور بھی جدید وقدیم علوم ہیں جو حرام ہیں۔

سوال: لیکن ان میں بعض علوم تو فی نفسہ اچھے ہیں لیکن ان کا استعمال اگر برا ہو تو الگ بات ہوگی۔اس علم کو تو برا نہیں کہہ سکتے۔

جواب۔جی ہاں۔بعض کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے لیکن بعض علوم جو ایجاد ہی حرام کاموں کے لیے ہوتے ہیں ان کا حاصل کرنا تو جائز نہیں ہوگا مثلاً موسیقی کا علم۔جادو کا علم وغیرہ۔

سوال: قوت عقل سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب۔یہ انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کے ذریعے وہ باقی دوسری قوتوں کو استعمال کرسکتا ہے۔اگر اس میں کمی ہے تو انسان کند ذہن،غبی اور احمق قرار پاتا ہے اور اس کی

افراط انسان کو مکار، چالاک اور فریبی بناتی ہے۔اس کا اعتدال انسان کو مدبّر، رمز شناس اور ذکی بناتا ہے مثلاً قوت شہوت کی افراط انسان کو حریص بناتی ہے اور اس کو دوسروں کا حق غصب کرنے پر اکساتی ہے لیکن عقل اس کو خبردار کرتی ہے کہ اگر تو نے ایسا کیا تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ ہر حکومت جو قوانین وضع کرتی ہے اس میں عقلاء سے مدد لیتی ہے جو ان دوسری قوتوں کے استعمال پر پابندیاں لگاتے ہیں۔یعنی قوت عقل کے ذریعے معاشرے میں باقی قوتوں کا توازن قائم رکھتے ہیں۔نہیں تو کوئی معاشرہ چل ہی نہیں سکتا۔ اسلام نے بھی عقل کے استعمال پر بہت زور دیا ہے۔

سوال: عقل اور علم میں کیا فرق ہے؟

جواب۔عقل اور علم میں یہ فرق ہے کہ علم کسی چیز کے جاننے کا نام ہے۔اب دو شخص اگر ایک چیز کو جانتے ہوں تو ایک عقل کے بہتر استعمال سے اس سے بہتر فوائد حاصل کر سکتا ہے اور دوسرا عقل کے کم استعمال سے اس سے کم فوائد حاصل کر پائے گا۔

سوال: کیا قوت عقل کے استعمال میں بھی افراط تفریط ہو سکتی ہے؟

جواب۔ جی ہاں، اس کا افراط یہ ہے کہ اپنی عقل کو کامل سمجھ کر دوسرے عقلاء کی تحقیقات سے فائدہ نہ اٹھایا جائے یہاں تک کہ عقل کو پیدا کرنے والی ذات کی بات سے بھی بغاوت کی جائے۔ یونانی حکماء کو یہی غلطی لے ڈوبی تھی۔انہوں نے اپنے آپ کو انبیاء کی تعلیم سے مستغنی سمجھ رکھا تھا۔غور سے دیکھا جائے تو ان کی عقل بھی ناقص تھی جو اتنی بات بھی نہ سمجھ سکی کہ اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ ایک ہے اور ہم ہر چیز میں اس کے کرم کے محتاج ہیں۔اس کی تفریط یہ ہے کہ جہاں عقل کے استعمال کرنے کا حکم ہے وہاں بھی اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ایسے لوگوں کو بے وقوف کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں زمین و آسمان اور رات دن کے اختلاف میں غور کرنے اور اس سے صحیح نتیجہ نکالنے کی دعوت دیتے ہیں۔اب اگر کوئی ان چیزوں میں عقل کو استعمال نہیں کرتا تو اپنا نقصان کرتا ہے۔

سوال: بہت سارے غیر مسلم سائنسدانوں نے اپنی زندگیاں ان میں غور کرنے کے لیے وقف کر دیں لیکن ان کو فائدہ نہیں ہوا یعنی وہ مسلمان نہیں ہوئے حالانکہ وہ غور کرتے تھے۔

جواب۔ جی ہاں، یہ ایک المیہ ہے۔ شیطان انسان کو وہاں تک نہیں جانے دیتا اور درمیان کی چیزوں میں الجھا کر اس کو صحیح نتیجہ نہیں نکالنے دیتا۔ حضرت تھانویؒ نے اس کی ایک عجیب مثال دی ہے کہ ایک گاڑی آ رہی ہے اور ٹی ٹی نے سرخ جھنڈی ہلا کر روک دی اور گاڑی رک گئی۔ اب ایک شخص کہتا ہے کہ گاڑی بریک نے روک دی۔ وہ تو ٹھیک کہتا ہے۔ آگے ایک شخص کہتا ہے کہ گاڑی ڈرائیور نے روک دی۔ وہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔ تیسرا شخص کہتا ہے کہ گاڑی ٹی ٹی کے سرخ جھنڈی نے روک دی۔ وہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔ چوتھا شخص کہتا ہے کہ گاڑی اس قانون نے روک دی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ سرخ جھنڈی ہلائی جائے تو ڈرائیور کو گاڑی روکنی چاہیئے۔ یہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی کی نظر کہاں تک جاتی ہے اور کسی کی کہاں۔ اب انبیاء کی تو مسبب الاسباب پر نظر ہوتی ہے اور سائنسدانوں کی اسباب پر۔ اگر کسی سائنسدان پر اللہ کا فضل ہو جائے اور علوم نبوت سے بھی اس کا سینہ روشن ہو جائے تو اس کی نظر بھی مسبب الاسباب پر ہو جاتی ہے ورنہ کورے کا کورا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ تو آگے فرمایا اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا اس کے بعد فرمایا وَیَتَفَكَّرُوْنَ پس ذکر کے بغیر فکر صحیح نہیں چلتی اور صحیح فکر کے بغیر صحیح فہم نہیں ملتا۔

سوال: تو اخلاق کا مدار کیا ان ہی قوتوں پر ہے؟

جواب۔ اچھے اخلاق لوگوں کو تب نصیب ہوتے ہیں کہ ان قوتوں کا اعتدال نصیب ہو جائے۔ ایسے شخص کو خوب سیرت کہتے ہیں۔ تصوف میں یہی ہوتا ہے کہ جتنا علم، جتنی قوت شہوت و غضب و عقل کسی کو میسر ہے ان سب کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرنے کا طریقہ سکھایا جائے۔ گویا کہ ان کو منہاج نبوت پر اپنے تمام پیمانوں کو ناپنے کا ڈھنگ آ جائے۔

سوال: اب آپ سے ذرا ایک تفصیلی سوال کر رہا ہوں کہ وہ کون کونسے اعمال قلب ہیں جن کا حصول اصلاح قلب میں ضروری ہے؟

جواب۔ ماشاء اللہ: بہت اچھا سوال ہے۔ سالک کو صبر، شکر، تواضع، اخلاص، تفویض، رضا، حب الٰہی، حب رسول، توحید، زہد، خشوع وغیرہ کا حصول ضروری ہے اور ان کی ضد سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ ان کے جو اضداد ہیں ان کو رذائل کہتے ہیں مثلاً بے صبری، ناشکری، تکبر، ریاء، خودرائی، حب دنیا، شرک، حرص اور انتشار قلبی، حسد، کینہ، عُجب وغیرہ رذائل ہیں۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔

سوال: صبر سے کیا مراد ہے اور اس کو کیسے حاصل کیا جائے؟

جواب۔ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک دنیا کی طرف راغب کرتی ہے اور دوسری دین کی طرف۔ پس دین کی طرف راغب کرنے والی قوت کو ساتھ لے کر دین سے دور کرنے والی قوت کا مقابلہ کیا جائے۔ یہی صبر ہے۔ پس اگر مصیبت آئے تو ایک قوت اس کو اللہ سے باغی کر کے جزع فزع پر مجبور کرتی ہے اور دوسری قوت اس کو رجوع الی اللہ کی تعلیم دیتی ہے جس کی تعلیم اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ میں موجود ہے۔ پس اس دوسری قوت کو ساتھ لے کر اپنے آپ کو جزع فزع (چیخ و پکار، بین وغیرہ) سے روکنا یہ صبر ہے۔ اس کو تو سب لوگ جانتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دینی تقاضا ہو تو انسان کی طبیعت پہلی قوت سے متاثر ہو کر اس سے فرار چاہتی ہے لیکن دوسری قوت اس کو اس دینی تقاضے کو پورا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس وقت اس کی مان کر پہلی قوت کا مقابلہ استقامت کہلاتا ہے۔ لیکن اصطلاح میں یہ بھی صبر ہی ہے۔ مثلاً روزہ میں صبر ہے جو کہ استقامت کے حکم میں ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے اس کے بارے میں قرآن و حدیث میں آئی ہوئی تعلیمات کو سامنے رکھنا چاہیئے اور شیخ کی نگرانی میں مجاہدات کے ذریعے نفس کی تہذیب کرنی چاہیئے۔

سوال: شکر سے کیا مراد ہے اور اس کو کیسے حاصل کیا جائے؟

جواب۔ کسی بھی نعمت کو منجانب اللہ سمجھ کر اس کا ممنون ہونا اور اس نعمت کو منعم حقیقی کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا شکر ہے۔ اس کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ مراقبہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ وہی سب کچھ دیتا ہے اور جب تک چاہتا ہے اس کو برقرار رکھتا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر کسی کا بس نہیں کہ کسی چیز کو استعمال کر سکے۔ اس کے علاوہ دنیا میں اپنے سے کم پر نظر اور دین میں اپنے سے اوپر والوں پر نظر شکر پیدا کرتی ہے۔ اپنے گناہوں کا استحضار انسان کو حقیقت شناس کر دیتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھے میرے رب نے جتنا کچھ دیا ہے وہ اس کا کرم ہے ورنہ میں تو اس قابل تھا کہ میرے اوپر پتھر برسائے جاتے۔ باقی تفصیل میری کتاب فہم التصوف میں دیکھیئے۔

سوال: تبلیغ کا صحیح مطلب کیا ہے؟

جواب۔ جو اچھی بات معلوم ہو اس کو دوسروں تک پہنچانا اور جس شر کا پتہ ہو اگر اس میں کوئی مبتلا ہو تو اس سے بچنے کے لیے کہنا تبلیغ دین ہے۔

سوال: کیا یہ سب کو کرنا چاہیئے؟

جواب۔ یہ منحصر ہے قدرت اور علم وفہم پر۔ پس جس چیز کا جس حد تک علم ہے اگر قدرت ہے تو اس کے مطابق امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے ورنہ نہیں۔ بعض ضروریات کی تبلیغ پر اگر خود قدرت نہیں تو اگر اصحاب قدرت کو متوجہ کرنے پر قدرت ہے تو ان کو متوجہ کرے اور اگر بیان کرنے کا صحیح علم نہیں تو علماء سے کہلوائے جس کے لیے علماء کے ساتھ مالی وجانی تعاون لازمی ہے۔

سوال: کیا موجودہ جماعت تبلیغ یہی کام کر رہی ہے؟

جواب۔ ہماری معلومات تک جماعت تبلیغ امر بالمعروف تو کرتی ہے لیکن نہی عن المنکر نہیں۔

سوال: کیا جماعت تبلیغ کو نہی عن المنکر بھی کرنا چاہیئے؟

جواب۔ حالات پر منحصر ہے۔ نہی عن المنکر ہر ایک نہیں کر سکتا۔ اس لیے عام لوگ تو امر بالمعروف ہی کریں لیکن یہ لوگ خود کو کامل سمجھ کر دین کے دوسرے کام کرنے والوں کے

لیے رکاوٹ نہ بنیں۔

سوال: یہ لوگ رکاوٹ کیسے بن سکتے ہیں؟

جواب۔حضرت شیخ الحدیثؒ فضائل تبلیغ کے پہلے باب میں فرماتے ہیں۔''علماء دلائل کے ساتھ دعوت دیتے ہیں، مجاہدین تلوار سے اور مؤذنین اذان سے اور یہ عام ہے ظاہری اعمال کی طرف دعوت دینے اور اعمال قلب کی طرف دعوت دینے کے لئے۔پس صوفیاء جو اعمال قلب کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بھی تو **دعوت الی الخیر** ہی ہے۔'' لیکن بعض حضرات صرف اس تبلیغی جماعت کے طریقے کے مطابق دعوت دینے کو تو دعوت سمجھتے ہیں باقی حضرات کی دعوت کو دعوت نہیں سمجھتے، اس لیے بعض اوقات ان کے لیے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

سوال: اس کا علاج کیا ہے؟

جواب۔تبلیغ ہی اس کا علاج ہے یعنی ان حضرات کو حکمت کے ساتھ سمجھایا جائے کہ سارے دینی کام ضروری ہیں۔اس لیے ان کے ساتھ تعاون کرنے سے دین مضبوط ہوگا ورنہ ہماری نادانی سے دین کو ہم سے نقصان پہنچ جائے گا، جس کے ہم ذمہ دار ہوں گے۔بہتر یہی ہے کہ اسی جماعت کے علماء کرام اور ذمہ دار حضرات اس ذمہ داری کو محسوس کریں کیونکہ ان کی بات ماننے میں ان کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

سوال: کیا تبلیغی جماعت کے سارے حضرات اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ صرف وہی حق پر ہیں اور جو ان کے ساتھ نہیں وہ غلطی پر ہیں؟

جواب۔نہیں بھائی، میں نے جواب میں بعض کا کہا ہے اور وہ بعض بھی صرف ناسمجھی سے کر رہے ہیں اگر ان کو پتہ چل جائے کہ اس بارے میں ہم غلطی پر ہیں تو وہ یقیناً رجوع کر لیں گے۔بعض تبلیغی جماعت کے حضرات خود بھی جو ہم کہتے ہیں اس کو جانتے اور مانتے ہیں۔ وہ ہم سے زیادہ اس کے بارے میں متفکر ہیں۔وہ کسی نہ کسی بزرگ کے ساتھ روحانی تعلق رکھ کر اپنی اصلاح بھی کرواتے ہیں اور اپنی اصلاح ہی کی نیت سے تبلیغی جماعت کے ساتھ

بھی چلتے ہیں۔ہم ان ہی کو اصل تبلیغی سمجھتے ہیں۔

سوال: تو کیا دوسرے تبلیغی نہیں؟

جواب۔جی ہاں۔وہ اس غلط فہمی کی وجہ سے نامکمل تبلیغی ہیں۔کیونکہ تبلیغ کا یہ ادب ہے کہ اپنے مخاطب کو اپنے سے افضل سمجھو اور امت میں جوڑ بھی تبلیغ ہی کا ایک اہم اصول ہے۔ حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ نے رائے ونڈ کے اجتماعات میں اپنے آخری بیان میں اس پر بہت زور دیا تھا۔میں تو اپنے اکابر کی اتباع میں کہتا ہوں کہ جب تک تصوف تک ان کی رسائی نہیں ہوگی یہ چیز مشکل سے ہی آئے گی اور یہ نامکمل تبلیغی ہی رہیں گے۔

سوال: یہ تو ٹھیک ہے لیکن بعض تبلیغی حضرات کا شکوہ ہے کہ ہم میں سے جو کسی شیخ سے بیعت ہوجاتا ہے وہ تبلیغ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اس شیخ کا ہی ہوجاتا ہے باقی کسی کام کا نہیں رہتا۔

جواب۔واہ کیا غلط فہمی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو محض اپنے فضل سے دور کردے۔میرے بھائی اگر ہم دین کو بحیثیت مجموعی لیں تو اس میں ہر قسم کے دینی کام کی ضرورت ہوتی ہے۔اب اللہ تعالیٰ نے جس میں جس قسم کی بھی صلاحیت رکھی ہوتی ہے مشائخ کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے مریدوں میں ان صلاحیتوں کو پہچان کر ان کی تکمیل کے بعد ان کاموں کے لیے تشکیل کردیں۔کبھی کبھی جب مناسب سمجھتے ہیں تو دوران اصلاح بھی ان سے دین کا کوئی نہ کوئی کام لیتے رہتے ہیں۔اب اگر ان کی نظر میں کوئی تبلیغی صاحب اپنی اصلاح کے بعد کسی اور دینی کام کے لیے مفید ہیں اور وہ ان کی اس میں تشکیل کردیں تو اس کو کیا غلط کہا جائے گا؟ان کو غلط کہنے کی غلطی کوئی بھی کرے غلطی ہی ہے۔ہماری تبلیغ کا تو مقصد ہی یہی ہونا چاہیئے کہ دین کا کام چلے اور اللہ تعالیٰ کو اس سے راضی کریں۔اب اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ ہم دعوت اس کی دیں کہ لوگ داعی بنیں تو جب تک دین کے دوسرے کاموں کے ساتھ جوڑ اور ان کی قدر دل میں نہیں ہوگی تو اس کی مثال ایسے ہوگی جیسا کہ لوگ اذان اس لیے دیں کہ دوسرے لوگ اذانیں دیں۔تاہم میری اس بات چیت سے ان حضرات کو

بالکل نہیں گھبرانا چاہیئے ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کسی ایسے شیخ سے بیعت ہوں جو یا تو خود جماعت کا ہو یا جماعت کے ساتھ بہت مناسبت ہو اس لیے ان کو پھر گلہ نہیں ہوگا۔

سوال: کیا جماعت میں مشائخ ہیں؟

جواب۔ کیوں نہیں۔ کئی مشائخ کو تو میں جانتا ہوں، بلکہ جماعت والے حضرات اگر جماعت میں ہی اصلاح کا پروگرام بنائیں تو ان کو صرف فاعلات ہی کی ضرورت ہوگی یعنی ذکر اذکار کی جو ان کو شیخ تلقین کردے گا اور باقی جو جماعت میں غیر اختیاری مجاہدات آتے ہیں وہی ان کی تربیت کے لیے کافی ہوجائیں گے۔ یہی ہمارے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کو ان کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ نے فرمایا تھا کہ طریقت آپ کے ذکر کی لائن ہے اور تبلیغ آپ کے مجاہدہ کی۔

سوال: فکر سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ ذہن میں دو یا دو سے زیادہ حقائق کو رکھ کر ان حقائق تک رسائی حاصل کرنا جس تک پہلے رسائی نہیں تھی فکر کہلاتا ہے مثلاً ہمیں پہلے سے کچھ معلومات حاصل ہیں۔ ان معلومات کے اندر غور کر کے کچھ نتائج کو اخذ کرنا، اس کے لیے فکر کی ضرورت ہے۔ اس کی قرآن میں دعوت دی گئی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایسے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو اور نہ ایسی عبادت میں جس میں معرفت نہ ہو۔

سوال: فکر کیسے کی جائے؟

جواب۔ دنیا اور آخرت کی حقیقت اپنے ذہن میں رکھ کر مفید نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی جائے اور ان نتائج کو پھر شریعت پر پرکھا جائے۔ درست پائے جائیں تو ان پر عمل بھی کیا جاسکتا ہے۔ مراقبات سے اس میں مزید ترقی ہوتی ہے۔

سوال: تواضع کیا ہے اور اس کا حاصل کرنا کیسے ممکن ہے؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پیش نظر اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا تواضع ہے۔ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ اس کی تعریف میں موجود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار کیا

جائے اوراس کی مشق کی جائے۔

سوال: کیا تواضع اوراحساس کمتری میں کچھ فرق ہے؟ نفسیاتی ماہرین تواحساس کمتری کو بہت بڑی بیماری سمجھتے ہیں؟

جواب۔ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔تواضع میں انسان اپنے رب کی عظمت کے پیش نظر اپنے آپ کو مٹاتا ہے اور یہ نعمت عظیم ہے جبکہ احساس کمتری میں انسان مخلوق کو بڑا سمجھ کر اپنے کو اس سے محروم سمجھتا ہے جو کہ بہت بڑی بیماری ہے کیونکہ ظاہر ہے مخلوق کی عظمت کا دل میں ہونا ایک روگ ہی تو ہے۔

سوال: توکل کے بارے کچھ رہنمائی فرمائیے۔

جواب۔اللہ تعالیٰ پر ہر چیز میں بھروسہ کرنا توکل کہلاتا ہے۔پس جاننے میں بھی اللہ پر بھروسہ ہو کہ اپنے علم وعقل کو اللہ کے علم کے مقابلے میں کچھ نہ سمجھے۔اسی طرح اللہ کی قدرت، ربوبیت، کرم اور فضل کو پیش نظر رکھ کر ہر وہ کام جس کا اللہ نے جس طرح کرنے کا حکم دیا ہے اس کو اپنے تمام مصالح کو بالائے طاق رکھ بالکل اسی طرح کرنا جیسا کہ چاہا گیا عین توکل ہے۔

سوال: حضرت کیا توکل کی صورت میں اسباب کو ترک کرنا چاہیئے؟

جواب۔نہیں، اسباب کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔تدبیر کو استعمال کر کے اس کا نتیجہ خدا کے حوالے کیا جائے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

سوال: بات ذرا مشکل ہوگئی ہے۔جو توکل اختیار نہیں کرتے وہ بھی اسباب اختیار کرتے ہیں اور جو توکل اختیار کرتے ہیں وہ بھی اسباب اختیار کرتے ہیں۔ان میں حضرت فرق کیا ہے؟

جواب۔شریعت نے جن اسباب کو مستحسن کہا ہے وہاں اسباب کو نہ استعمال کرنا جہالت ہے۔جیسے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کرو۔فرق یہ ہے کہ غیر متوکل تو

اپنی عقل کی رائے کو حتمی سمجھ کر اور خدا سے غافل ہو کر اسباب اختیار کر رہا ہے دوسرے لفظوں میں اسباب کو مؤثر حقیقی سمجھ رہا ہے جبکہ متوکل شخص اسباب کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر استعمال کر رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے نہ تو غافل ہے نہ باغی بلکہ اللہ تعالیٰ کے استحضار کے ساتھ اس کا حکم سمجھتے ہوئے اسباب کو اختیار کر رہا ہے۔

سوال: اس میں عقل کا کردار کیا ہے؟

جواب۔ متوکل شخص اپنی عقل کو بھی ایک سبب سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کو شریعت کا تابع جانتا ہو۔ عقل اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے لیکن اس کی حدود ہیں جو شریعت بتاتی ہے پس شریعت کے بتائے ہوئے حدود کے اندر عقل سے کام لینا سنت انبیاء ہے۔

سوال: تفویض کیا ہے؟

جواب۔ اپنے کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا تفویض ہے۔ جب کوئی شخص کسی کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے اور اس کو اپنا خیر خواہ بھی سمجھتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ آپ میرے سب کچھ ہیں جو آپ کہیں گے میں وہی کروں گا۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور سب سے زیادہ علم اور قدرت والا ہے نیز وہ ہمارا ہم سے زیادہ خیر خواہ ہے اس لیے ہم کیوں نہ سب کچھ اس پر چھوڑ دیں کہ وہ ہم میں جیسا تصرف کرنا چاہے کرے۔ یعنی اس کے حکم پر بلا چوں و چرا عمل کر کے نتیجہ اس کے حوالے کریں۔ اسی میں ہماری خیر ہے اور اسی میں ہمارا فائدہ۔ اس لیے اصحاب تفویض سب سے زیادہ خوش اور سب سے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ. اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌم بِالْعِبَادِ میں اس کی تعلیم موجود ہے۔

سوال: تو کیا خود کچھ بھی نہ کیا جائے؟

جواب۔ عجیب سوال ہے۔ گزشتہ سوال کے جواب میں غور کریں تو اس کا جواب بھی اس میں مل جائے گا۔ ہم کام تو کریں گے لیکن کام شریعت کے مطابق کریں گے۔ ناجائز اسباب کو اختیار نہیں کریں گے اور جو نتیجہ سامنے آئے گا اس کو دل و جان سے رب کی طرف سے سمجھ کر مطمئن ہو جائیں گے۔

سوال: بالفرض ہم نے اسباب کو استعمال کرنے میں کوئی غلطی کی۔جس کا ایک نتیجہ نکلا جو کہ اچھا نہیں ہے۔اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں۔یہ بے ادبی نہیں ہوگی؟

جواب۔ماشاءاللہ بہت اچھا سوال ہے۔ہم نے جو غلطی کی ہے وہ یا تو شریعت کو سمجھنے میں کی یا اس پر عمل کرنے میں۔اس کا نتیجہ ایسا نکلا جو کہ اچھا نہیں۔اس میں ہم اپنی غلطی کی طرف نسبت کریں گے کہ اس غلطی کی وجہ سے ہوا البتہ ہوا پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ وہ فاعل حقیقی ہیں لیکن بات یہاں پر رکے گی نہیں بلکہ یہ بھی سوچا جائے گا کہ ایسا نتیجہ نکلنا ہی عین حکمت تھا اس لیے اس پر کوئی اعتراض نہیں کریں گے جیسے جوزہر کھائے گا تو لازمی نتیجہ اس کے نقصان کا نکلے گا۔اگر کسی وقت اس کا نتیجہ نقصان کی صورت میں نہ نکلے تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور عفو کی وجہ سے ہے۔پس اگر ہم غلط کام کریں تو اس کا نتیجہ تو غلط ہی نکلنا چاہیئے لیکن اس سے اگر زیادہ نقصان نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ پس ہم اپنی غلطیوں کی استغفار سے تلافی کر کے پھر صحیح عمل کریں گے تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہو جائے۔

سوال: خشوع کیا ہے اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب۔کسی نیک عمل کے دوران دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقصود ہونا اور اس کے غیر کی طرف التفات نہ ہونا اور اس وجہ سے عاجزی ہونا خشوع کہلاتا ہے۔اس کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خشوع کے منافی چیزوں کا اثر دل سے نکالا جائے۔

سوال: دل میں جو وسوسے آتے ہیں وہ بھی خشوع کے منافی ہیں؟

جواب۔نہیں، چونکہ یہ غیر اختیاری ہیں اس لیے یہ خشوع کے منافی تو نہ ہوں گے البتہ اگر ان وساوس کی وجہ کوئی اختیاری عمل ہو تو پھر اس کا علاج کرنا پڑے گا۔کیونکہ یہ اختیاری ہوگا۔جیسا کہ فقہاء نے مسجد کی سامنے والی دیوار پر نقش ونگار کو خشوع کے منافی سمجھ کر مکروہ لکھا ہے اور آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنے کو باوجود خلاف سنت ہونے کے اگر خشوع کے لیے مفید پایا جائے تو اس کو جائز بتایا ہے۔دوسری طرف اگر کچھ وسوسہ آیا اور اس وسوسے

کی طرف متوجہ ہوکر خود کچھ باتیں ارادے سے سوچنے لگا تو یہ البتہ خشوع کے منافی ہوگا۔

سوال: خشوع کے منافی چیزوں کو دل سے نکالنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔اپنے دنیاوی امور میں اتنا انہماک کہ جنون کا سا معاملہ ہوجائے درست نہیں۔ اس سے بچا جائے۔ذکر کی کثرت کی جائے اور ذکر میں یکسوئی کے ذریعے دھیان جمانے کا طریقہ سیکھا جائے اور نماز میں مستحبات کی بھی رعایت کی جائے جن میں خشوع کی تحصیل کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہ مراقبہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے بہت مفید ہے اور تصور کیا جائے کہ یہ میری آخری نماز ہے یا میں خانہ کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں تو چونکہ خیال بیک وقت دو طرف نہیں جاسکتا اس لیے غلط خیالات خود بخود رفع ہوجائیں گے۔

سوال: اگر غلط خیال بار بار مراقبے میں بھی آئے تو بھی؟

جواب۔یہاں مراقبہ سے اصطلاحی مراقبہ نہیں بلکہ نماز میں یہ سوچنا کہ میں خانہ کعبہ کے سامنے ہوں یہ مراد ہے۔اس میں آہستہ آہستہ جب پختگی آجاتی ہے تو پھر غلط خیالات نہیں آتے۔

سوال: خوف سے کیا مراد ہے؟

جواب۔آئندہ یا موجودہ کسی واقعے یا چیز سے دل کا ڈر جانا خوف کہلاتا ہے۔اس کے دو درجے ہیں۔خوف عقلی جو ہر مسلمان کو حاصل ہے کیونکہ شرط ایمان ہے کہ دل میں یہ خوف رکھتا ہو کہ کہیں اس کو آخرت میں عذاب نہ ہو۔دوسرا درجہ اس خوف کا ہے کہ معصیت اور حرام سے بچنے کے لیے کافی ہوجائے یہ خوف فرض ہے۔اس کے نہ ہونے سے آدمی کافر تو نہیں ہوگا لیکن گناہ گار ہوگا۔ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرتا رہے پس اگر یہ بالقصد ہو تو یہ مستحب ہے اور اگر خود بخود ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ یہ بعض دفعہ اس حد تک بھی جاسکتا ہے کہ کوئی اس کو کم کرنا چاہے بھی تو نہیں کرسکتا۔ یہ بھی محض وہبی ہوتا ہے البتہ اس درجہ کا خوف کہ آدمی تعطل کا شکار ہوجائے، ٹھیک نہیں بلکہ اس کا علاج ضروری ہے کیونکہ مطلوب اعمال ہیں اور خوف اس کے لیے ذریعہ

ہے۔ پس اگر اسی سے اعمال میں کمی آ جائے تو پھر ایسے خوف کو کم کرنا لازمی ہوگا۔

سوال: ایسی حالت کب پیش آ سکتی ہے؟

جواب۔ کوئی کمزور دل والا کوئی ایسی کتاب یا مضمون پڑھے جو قوی القلب لوگوں کے لیے ہو تو اس سے بعض اوقات ایسا ہوسکتا ہے۔ اس لیے ہر شخص کے لیے مطالعہ کا انتخاب بھی مختلف ہوگا جس کا فیصلہ اس کے شیخ کو کرنا چاہیئے جیسا کہ حضرت تھانویؒ موجودہ دور میں حضرت امام غزالیؒ کی کتاب الخوف کو پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

سوال: یہ جو آیت مبارکہ ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اس میں اولیاء سے خوف کی نفی کی گئی ہے یہ کیسے ہے؟

جواب۔ یہ نفی آخرت کے اعتبار سے ہے کہ آخرت میں انہیں کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ دنیا میں بھی بعض اوقات کوئی اور حال غالب ہونے کی وجہ سے یہ حالت پیش آ سکتی ہے۔ لیکن اس وقت کوئی اور چیز ان کے لیے معاصی سے رکاوٹ بن جاتی ہے جس سے ان کو نقصان نہیں ہوتا مثلاً اللہ تعالیٰ کی محبت۔

سوال: رجاء سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دل میں امیدوار ہونا رجاء کہلاتا ہے۔ اعمال میں پوری کوشش کی جائے کہ سستی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی امید ہو تو اللہ تعالیٰ ان اعمال کو قبول فرماتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرا بندہ جو گمان رکھے گا میں اس کے ساتھ ویسا برتاؤ کروں گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید کرنی چاہیئے۔

سوال: اگر کوئی عمل نہ کرے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے تو کیا یہ بھی رجاء ہے؟

جواب۔ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر جرأت وغرّہ ہے جس کے لیے ارشاد فرمایا گیا مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ یعنی کس نے تمہیں رب پر جرأت دلائی۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم بے فائدہ نہیں دیا تو اگر بے عملی پر ڈھٹائی ہو اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید

کو درست کہا جائے تو یہ قرآن جو اعمال کی دعوت ہے اس کا مطلب پھر کیا ہوگا؟

سوال: فرماتے ہیں کہ ایمان خوف اور رجاء کے درمیان ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا خوف نہ ہو کہ خدا کی رحمت سے آدمی مایوس ہو کر کام کرنا چھوڑ دے۔ اس کے لیے رجاء کی تعبیر ذہن میں رکھنا لازمی ہے۔ اسی طرح اتنی رجاء کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو کر کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے، یہ بھی ٹھیک نہیں اس کو خوف کی تعبیر ذہن میں رکھنی ہوگی۔ ان دونوں کا جمع کرنا دونوں کا اعتدال ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک طرف جھکنا بے اعتدالی ہے۔

سوال: زہد سے کیا مراد ہے؟ اور کیا یہ ہر ایک کو حاصل ہونا چاہیئے؟

جواب۔ زہد کے لغوی معنی تو تھوڑے پر قناعت ہے لیکن تصوف کی اصطلاح میں آخرت کی اعلیٰ نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی نعمتوں میں انہماک کا نہ ہونا زہد ہے۔ زہد کے کئی درجے ہیں۔ ایک درجہ تو یہ ہے کہ نفس لذات کا طالب تو ہو لیکن زبردستی اس کو لذات سے روکا جائے۔ یہ زہد نہیں بلکہ مجاہدہ ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ دل لذات سے اتنا متنفر ہو جائے کہ اس کی طرف مائل نہ ہو یہ زہد تو ہے لیکن حال کے درجہ میں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کا وجود اور عدم برابر ہو جائے۔ مل جائے تو شکر کرے اور نہ ملے تو پرواہ نہ ہو۔ اس میں نفس نہ تو لذات سے متنفر ہوتا ہے اور نہ اس کا طالب۔ یہی زہد کے کمال کا درجہ ہے۔ پس یوں سمجھ لیجئے کہ زہد حرص حرام کی ضد ہے۔ چونکہ حرص ایک روحانی بلا ہے جس کی وجہ سے انسان کئی قسم کی دوسری روحانی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے اتنے زہد کا حاصل کرنا کہ انسان حرام حرص سے بچ جائے فرض عین ہے۔ البتہ اتنا زہد کہ ان مباحات سے بھی اجتناب ہو جن میں پڑ کر انسان کسی وقت مذموم حرص میں مبتلا ہو سکتا ہو یہ مستحب ہے اور ایسا زہد کہ انسان اس سے حرام میں مبتلا ہو حرام ہے اور جس سے مکروہ میں مبتلا ہو جائے وہ مکروہ ہے۔

سوال: کیا زہد سے انسان حرام میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے؟

جواب۔ جی ہاں کیوں نہیں۔ اگر زہد کو کوئی لغوی معنی میں لے کر اپنی طرف سے اس کے

کوئی ایسے معنی گھڑ لے کہ انسان اس سے کسی کا حق مار لے تو وہ حرام ہوگا مثلاً کوئی شادی کر کے بیوی کے حقوق ادا نہ کرے تو یہ حرام زہد ہوگا۔ حدیث شریف میں حضرت ابودرداءؓ سے ارشاد فرمایا کہ و لزوجك عليك حق اس طرح اختیاری طور پر اتنا کم کھانا کہ دین کے ضروری کام مشکل ہونے لگیں مکروہ ہے۔

سوال: حرص کا ذکر آیا یہ کیا چیز ہے؟

جواب۔ نفس کی دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش حرص کہلاتی ہے۔ اگر وہ چیز اچھی ہے تو یہ حرص بھی اچھی ہے بشرطیکہ کسی کا حق نہ مارا جائے اس کو تنافس کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی دعوت دی ہے وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ اگر وہ چیز دنیاوی لذت ہے تو اس میں انہماک اور اس کے لیے آخرت کی چیزوں سے غفلت حرص حرام ہے۔ اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سوال: حرص حرام سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔ آخرت کی نعمتوں پر یقین، ذکر اللہ کی کثرت، موت کی یاد اور شیخ کی نگرانی میں مجاہدہ، یہ حرص کا علاج ہے۔

سوال: کتابوں میں انس کا بھی ذکر آتا ہے اور شوق کا بھی۔ ان میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ دونوں مطلوب ہیں؟

جواب۔ اپنے محبوب اور اس سے متعلقہ چیزوں کے دیکھنے اور ان کے بارے میں جاننے کی طبعی خواہش شوق کہلاتی ہے۔ انس شوق کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس میں جوش اور ولولہ تو نہیں ہوتا جیسا کہ شوق میں ہوتا ہے لیکن محبوب کے ساتھ ایک مضبوط تعلق ایسا حاصل ہو جاتا ہے کہ محبوب سے جدا نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو ناراض کر سکتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ابتدا میں شوق کی چونکہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ غیر اللہ کے ساتھ مقابلے کی صورت ہوتی ہے جس کے لیے فوری قوت درکار ہوتی ہے۔ بعد میں جب تعلق قائم ہو جاتا ہے تو اس کا صرف قائم رکھنا کافی ہوتا ہے۔ اسے جوش اور ولولے کی

ضرورت نہیں ہوتی۔ پس محبوبِ حقیقی کے ساتھ تعلق میں ابتدا میں شوق مطلوب ہوتا ہے اور بعد میں انس۔

سوال: اخلاص کا ذکر کتابوں میں بہت آتا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ بتائیے۔

جواب۔ اپنی طرف سے ہر عمل میں محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرنا اور اس میں کسی غیر کی خوشنودی یا اپنے نفس کی خواہش کو ملنے نہ دینا اخلاص ہے۔

سوال: کیا ریاء اخلاص کی ضد ہے؟

جواب۔ ہاں لیکن جزوی طور پر۔ کیونکہ غیر اللہ کے لیے کسی نیک عمل کا کرنا ریاء ہے لیکن جو عمل اپنے نفس کی خوشنودی کے لیے کیا جائے اس کو ریاء تو نہیں کہتے لیکن وہ اخلاص کے منافی ہے۔

سوال: کیا ہر عمل میں اخفا یعنی اس کا چھپ کر کرنا اخلاص ہے؟

جواب۔ جن اعمال میں اخفا سنت ہے ان میں اخفا کرنا تو عین مطلوب ہے لیکن جن میں اخفا ضروری نہیں ان میں ظاہراً اس عمل سے رک جانا بھی ریاء کے زمرہ میں آئے گا کیونکہ اس میں غیر اللہ سے تاثر لینا ہے۔ اس وقت دل سے اس کو اللہ کے لیے کرنا چاہیئے چاہے اس کو پھر لوگ دیکھیں یا نہ دیکھیں۔ مثلاً کوئی ذکر سے اس وجہ سے رک جائے کہ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ اس وقت لوگوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ چاہے وہ کچھ بھی کہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اتنا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں ریاء کار کہیں۔

سوال: اخلاص نہ ہونے کی کیا علامتیں ہیں؟

جواب: کئی قسم کی چیزوں میں اخلاص کی غیر موجودگی ہوسکتی ہے۔ مثلاً نماز میں اخلاص نہ ہونا، تو وہ ریا ہے۔ اگر ایک آدمی لوگوں کے سامنے بہت اچھی طرح نماز پڑھے اور اندر نماز گڑبڑ کرے تو یہ اخلاص نہ ہونے کی علامت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگوں کے لئے نماز پڑھ رہا ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک صاحب کی دعوت کی گئی تھی تو وہ پیر یا بزرگ مشہور ہونگے۔ ساتھ میں ان کے گھر کا ایک بچہ بھی تھا۔ تو ادھر اس نے کھانا بہت تھوڑا کھایا

اورنماز بڑی لمبی پڑی۔ جب گھر واپس آ گئے تو اس نے اپنی بیوی کو کہا کہ کھانا دے دو، بچے نے کہا کہ آپ کھانا تو کھا چکے، تو اس نے جواب دیا کہ وہ تو لوگوں کے سامنے تھوڑا کھانا ہوتا ہے تا کہ لوگ ہمارے بارے میں اچھا خیال کریں۔ تو بچے نے کہا کہ حضرت پھر نماز بھی دوبارہ پڑھیں۔ وہ جو نماز آپ نے پڑھی وہ بھی تو لوگوں کے لئے پڑھی۔ تو اللہ پاک نے ایک بچے کے ذریعے سے کہلوا دیا کہ وہ تو آپ نے لوگوں کے لئے پڑھی ہے۔ تلاوت میں یہ بات ہے کہ جو لہجہ لوگوں کو پسند ہے اس لہجے کو قصداً لانا، یہ اخلاص نہ ہونے کی علامت ہو سکتی ہے۔ یعنی لوگوں کی مرضی کے مطابق کرنا۔ نہیں جو صحیح ہے وہ کرنا چاہے لوگوں کو پسند ہو یا نہ ہو۔ تمہیں لوگوں سے کیا غرض ہے۔ مثلاً تجوید کے قواعد کے مطابق ہو اصولی طور پر صحیح ہو۔ اس طریقے سے بہت سارے کام ہو سکتے ہیں بہر حال ہر ایک کے اپنے علامات ہوتے ہیں۔ دین کے کاموں کے اندر اخلاص ہونے کی سب سے بڑی علامت جو حضرت نے بتائی ہے کہ جب کوئی دین کا کام کر رہا ہو اور کوئی اور آ جائے اس کام کو کرنے کے لئے اور وہ اس سے زیادہ اہل ہو اس کام کے کرنے کا، تو یہ سارا کام اس کے سامنے کر دے کہ حضرت اب آپ تشریف لائے ہیں مجھے اپنا خادم سمجھیں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں آپ یہ کام کر لیں، اصل میں تو اہل آپ ہیں فرمایا یہ تو اخلاص ہے۔ اور اگر کوئی اور دین کا کام کرنے کے لئے آ جائے اور اس کے دل میں گڑ بڑ پیدا ہو جائے، اوہو یہ کیا ہو گیا، یہ تو مسئلہ ہو گیا، یہ اخلاص نہیں ہے۔ یہ دنیاوی چیز ہے۔ تو اس وجہ سے اس بارے میں قطعی بات ایک مجلس میں ممکن نہیں ہے کیونکہ ہر چیز کے اندر اخلاص کے ہونے یا نہ ہونے کے اپنی اپنی علامات ہوتی ہیں اور مشائخ اس کو بصیرت سے پہچانتے ہیں۔ اس کے لئے کوئی قاعدہ یا کلیہ نہیں ہے۔ کسی دینی کام میں دنیا کا فائدہ حاصل نہ ہونے پر رنجیدہ ہونا بھی عدم اخلاص کی علامت ہے۔

سوال: کتابوں میں ہم رضاء، بقاء، فناء اور عبدیت کے بارے میں پڑھتے ہیں۔ ان کا مطلب کیا ہے؟

جواب۔ یہ اصل میں مقامات ہیں۔اللہ تعالیٰ کے کام پر راضی ہونا کیفیتِ رضا ہے اور یہ عین مطلوب ہے۔اس کے نہ ہونے سے بعض اوقات ایمان سلب ہوسکتا ہے۔ یہ محبت الٰہی کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے چاہے محبت طبعی ہو یا عقلی۔رذائل کا ختم ہونا اور غیر اللہ کے تاثر سے دل کا پاک ہوجانا فناء کہلاتا ہے۔توحید اور تواضع اسی کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔فضائل کا حاصل ہوجانا اور مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے واپس ہوجانا یہ بقاء کہلاتا ہے۔ان سب کا لازمی نتیجہ محض اللہ کی بندگی ہے کہ اپنا عجز بھی ظاہر ہو اور اللہ کی عظمت بھی۔خدا کے حکم کی اہمیت بھی پیش نظر ہو اور اپنا فرض بھی اور اس فرض کی تکمیل کے لیے محض اللہ کی رضا کے لیے دم بدم کوشش جاری ہو۔ یہ عبدیت ہے اور انسان کا سب سے اونچا مقام ہے۔

سوال:تصوف کی محنتیں کرنے کے باوجود بھی اگر کسی کو اخلاص نہ ملے تو کس چیز میں مسئلہ ہے؟

جواب۔اصول پر نہ چلنے کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا ہے مثلاً تربیت میں شیخ کی بات کو اپنی بات پر فوقیت دینا لازم ہے اور کوئی اس میں اپنے اجتہاد کو دخل دے تو محرومی ہوسکتی ہے۔تربیت کے کسی مسئلے میں شیخ کے ساتھ قلبی اعراض اس کا بڑا سبب ہوتا ہے۔ایسا شخص یہ سمجھتا ہے کہ شیخ نے میری صلاحیتوں کو نہیں پہچانا یا اس کو مجھے یہ بتانا چاہیئے تھا وغیرہ وغیرہ یہی قلبی اعراض مرید کا ستیاناس کر دیتا ہے۔اس مسئلے کی جس کو جتنا جلدی سمجھ آئے خوش نصیب ہے کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ مرید کے بارے میں شیخ کو بوقت تعلیم ضرورت کے درجے کا کشف ہوجاتا ہے اس لئے اس سوچ کو میرا شیخ سمجھا نہیں کبھی نہیں ماننا چاہیئے اس وقت یہ یاد کیا کرے کہ بزرگوں کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے کہ اللہ مرید کے لئے اس کے شیخ کی الٹی بھی سیدھی کر دیتے ہیں۔

سوال: آج کل کے دور میں فنا کا کس طرح پتہ چلتا ہے؟

جواب۔طبیعت پر شریعت کو غالب کرنے کا جذبہ نمایاں ہو تو یہ فنا ہے اور اگر کسی کو یہ حاصل

ہولیکن اس کا عزم اس سے بھی زیادہ کا ہو جس کی وجہ سے اس کو لاحاصل سمجھتا ہو تو یہ فناء الفنا ہے اور یہی حقیقی فنا ہے کیونکہ جس فنا کا کسی کو پتہ چلے وہ فنا نہیں تکبر ہے۔

سوال: کیفیت رضا سلب ہونے سے ایمان کیسے سلب ہوسکتا ہے؟ وضاحت کریں؟

جواب۔ اگر کیفیت رضا حاصل نہ ہو تو کسی مصیبت کے آنے پر ممکن ہے کوئی ایسا کلمہ زبان سے نکل جائے جس سے ایمان سلب ہوتا ہے۔ اس لیے کیفیت رضا ہر وقت مطلوب ہے۔

سوال: شہوت کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ نفسانی خواہشات کو شہوت کہتے ہیں۔

سوال: شہوت کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

جواب۔ نفس امارہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے باغی بناتا ہے کیونکہ یہ پابند نہیں ہونا چاہتا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اور ہمارے فائدے کے لیے قوانین بنائے ہیں جن کو شریعت کہتے ہیں۔ پس اگر شہوت کی اتنی پیروی کی جائے کہ کفر و شرک کا ارتکاب ہو جائے تو یہ کفر و شرک کہلائے گا ورنہ شہوت جس درجے کے گناہ میں مبتلا کرے گی تو اس کا وہی حکم ہوگا اور اگر اس کی مخالفت کی جائے اور نفس پر پتھر رکھ کر دین پر ثابت قدمی اختیار کرے تو پھر یہی شہوت ایک عظیم اجر کا باعث بنے گی۔ تبھی تو مولانا رومؒ نے فرمایا۔

شہوت دنیا مثل گلخن است

سوال: عُجب کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ کسی کمال کا اپنی طرف نسبت کرنا اور اِس کا خوف نہ ہونا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اِس کو سلب نہ کر دے اس کو عجب کہتے ہیں۔ اس سے انسان کے اس جذبے کی تسکین ہوتی ہے کہ ہر انسان ممتاز ہونا چاہتا ہے اور اس میں اس کو حظ (مزا) آتا ہے۔ حدیث شریف میں آدمی کا اپنی نظروں میں اچھا ہونے کو شدید ہلاکت بتایا گیا ہے اور جس وقت انسان اپنی نظروں میں اچھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظروں میں گرا ہوا ہوتا ہے۔

سوال: اس کا علاج کیا ہے؟

جواب۔نعمتوں کومحض اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کونظروں کے سامنے رکھیں اور یہ سمجھیں کہ ہماری کوئی اللہ تعالیٰ سے رشتہ داری تو نہیں کہ ہمیں دوسروں سے ممتاز کرے گا پس جتنا دیا ہے یہ اسی کا کرم ہے اوران نعمتوں کی بقاء صرف اس کے فضل پر موقوف ہے۔چاہے تو ایک آن میں کچھ سے کچھ کردے۔یہی سوچ اس کا علاج ہے۔

سوال: کیا عُجب اور خودرائی ایک ہی چیز ہے؟

جواب۔خودرائی اپنی خوبیوں پر نظر رکھنے کو کہتے ہیں۔یہ بھی ایک عیب ہے جس کا علاج کافی مشکل ہے۔ایسا آدمی جس خوبی کے بارے میں سنتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ مجھ میں ہے۔اصل میں ایسے شخص کی اپنی عاقبت پر نظر نہیں ہوتی۔کیونکہ جس شخص کی اپنی عاقبت پر نظر ہوتی ہے اس کو خود میں کوئی خوبی نہیں بلکہ عیب ہی زیادہ نظر آتے ہیں۔جیسا کہ کوئی طب کی کتابیں پڑھتا ہے تو اس میں جن بیماریوں کے بارے میں پڑھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ بیماریاں تو مجھ میں ہی ہیں کیونکہ اس کو اپنی صحت کی فکر ہوتی ہے اور نہیں چاہتا کہ وہ بیمار ہو۔دوسری طرف آخرت سے غفلت اس کو اپنے عیوب سے غافل کرتی ہے اور شیطان اس کو اپنے محاسن یاد دلاتا ہے۔اس لیے یہ شخص محنت نہیں کرتا اور خیال ہی خیال میں اپنے آپ کو اچھا سمجھ کر خوش ہو رہا ہوتا ہے۔

عُجب میں انسان اپنے محاسن کو اپنا کمال سمجھ رہا ہوتا ہے اور خودرائی میں اپنے عیوب کو بھی اپنے محاسن سمجھنے لگتا ہے۔عجب میں اللہ تعالیٰ کے ارادے سے نظر ہٹ جاتی ہے اور خودرائی میں اپنے عیوب سے۔اس لیے دونوں دھوکہ اور سراب ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔آمین

سوال: تکبر کیا ہے کیا یہ عجب ہی کی ایک صورت نہیں ہے؟

جواب۔اپنے آپ کو صفات وکمالات میں دوسروں سے بڑا سمجھنا تکبر ہے۔عجب اور تکبر میں یہ فرق ہے کہ عجب میں انسان خود کو اچھا سمجھتا ہے لیکن دوسروں کی تحقیر دل میں نہیں ہوتی لیکن تکبر میں دوسروں کی تحقیر دل میں ہوتی ہے۔

سوال: اگر عُجب کو شدید مہلکات میں سے قرار دیا گیا ہے تو تکبر کی پھر کیا بات ہوگی؟
جواب۔ جی ہاں تکبر کی بات عُجب سے زیادہ سخت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا تو جنت میں نہیں جائے گا۔ لیکن عجب کو بھی کم نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ جس میں عُجب ہوگا وہ بہت جلد تکبر کا بھی شکار ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ جو شخص اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے تو جب اسے کسی اور کے ساتھ اپنا موازنہ کرنے کی صورت پیش آئے گی تو اس کو کم سمجھے گا اور اس طرح وہ متکبر ہو جائے گا۔ اور بذات خود عجب میں بھی یہ بات ہے کہ جس وقت آدمی خود کو اپنی نظروں میں اچھا سمجھتا ہے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں گرا ہوتا ہے۔

سوال: آج کل کے دور میں تکبر کو دور کرنے کے لئے کیا ہوسکتا ہے؟
جواب: اصل میں تکبر کو دور کرنے کے لئے ہی سارا کچھ ہوتا ہے۔ سلوک جس کو ہم کہتے ہیں اس کو طے کرنے کے لئے اس میں سب سے مشکل چیز تکبر کو دور کرنا ہوتا ہے۔ جو شیخ سے انسان بیعت ہوتا ہے۔ اصل میں یہ انسان کی انانیت پر سب سے پہلی چوٹ ہوتی ہے۔ انسان اپنی انانیت کو چھوڑ نہیں سکتا۔ بعض لوگ تصوف میں جو نہیں آپاتے۔ یا کسی شیخ سے بیعت نہیں ہوتے۔ ان میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہوتی ہے اپنی انانیت کو چھوڑنے کی۔ جب کوئی اپنی انانیت کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور کسی شیخ سے بیعت ہو جاتا ہے تو ان کی اچھی خاصی اصلاح اسی چیز سے ہی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کسی ایک کے سامنے کم از کم اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنے سے۔ ورنہ انسان کا نفس کسی کے سامنے بھی چھوٹا سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ بے شک زبان سے بڑا ہی کہہ دے، عاجز اور غریب اور پتہ نہیں کیا اور بدترین، یہ ساری باتیں ہوتی ہیں۔ جب تک انسان اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں کسی کے سامنے چھوٹا نہ سمجھے اس وقت تک اس کے تکبر کا علاج نہیں ہوسکتا۔ یہ کام چونکہ شیخ کے لئے کرنا آسان ہوتا ہے کہ شیخ کے لئے انسان اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا اسی کی بنیاد پر اس کا جو نفس ہے اس کی فہمائش ہو رہی ہوتی ہے۔ کبھی ایک بات

میں ڈانٹ کھائی کبھی ایک میں بات نہیں مانی گئی ،کبھی ایک میں پیچھے ڈال دیا گیا کبھی کیا کبھی کیا، یعنی مختلف طریقوں سے وہ چیزیں ہورہی ہوتی ہیں۔تو یہ تکبر کو دور کرنے کا بہت بڑا علاج ہوتا ہے۔تو سب سے بڑا مجاہدہ تو اس کے لئے یہی ہے۔ہاں شیخ جس کے لئے زیادہ ضرورت سمجھے بعض کے لئے۔بعض کے لئے حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو دور کرنے کیلئے کچھ سپیشل کرنا پڑتا ہے مثلا لوگوں کے سامنے ڈانٹ دیا یا کوئی کام اس کو ایسا دیا جو کہ اس کی شان کے لوگ نہیں کیا کرتے۔مثلا کسی کو سودا سلف لانے کے لے بھیج دیا بازار کی طرف اور وہ اس کی عادت نہیں ہے۔ظاہر ہے پھر اس میں نفس پر زد تو پڑے گی۔ لوگوں کے سامنے حساب لے لیا وغیرہ ۔تو یہ مختلف چیزیں ہوتی ہیں۔ان کا کوئی حد نہیں۔تکبر کا اصل علاج تو یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت بٹھائی جائے۔دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بٹھانے کیلئے ذکر الٰہی اکسیر ہے بشرطیکہ کسی شیخ کی نگرانی میں ہو اور مجاہدہ کے ساتھ ہو ورنہ اس سے بھی دل میں اپنی بزرگی پیدا ہوسکتی ہے جو کہ تکبر ہی کا ایک شعبہ ہے۔

سوال: کیا ذکر سے بھی تکبر پیدا ہوسکتا ہے؟

جواب۔جی ہاں۔کسی بھی نیک عمل سے یہ ممکن ہے اگر اپنا احتساب نہ کیا جائے۔شیطان جس راستے سے خود گمراہ ہوا ہے انسان کو بھی اس راستے سے گمراہ کرسکتا ہے۔شیطان کے داؤ پیچ کو سمجھنا آسان کام نہیں اس کے لیے کسی شیخ کامل کی نگرانی ضروری ہے۔

سوال: کیا یہ علم کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہے اس کے لیے کافی نہیں؟

جواب۔کیا شیطان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہے پھر اس نے کیوں سرکشی کی؟ کیوں بغاوت پر اتر آیا؟ دراصل شیطان کی نظر اپنے پر گئی اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں گئی۔پس یہی کچھ کسی انسان کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔اس لیے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں سارے کئے کرائے پر پانی نہ پھر جائے۔

سوال:اگر شیخ کے کسی بات پر اشکال پیدا ہو یا طبعیت اس کے ساتھ نہ ہو تو کیا یہ تکبر کی

وجہ سے ہوتا ہے یا مناسبت کی کمی کی وجہ سے؟

جواب: اگر وہ علمی بات ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علمی بات میں اشکال ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ تربیت کے اندر ہے۔ تو پھر وہ خطرناک بات ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر کے ساتھ اگر کسی کو اپنے علاج میں اشکال ہوجائے تو اس کا علاج نہیں ہوگا۔ کتابوں میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ مرید شیخ کے سامنے کلمیت فی ید الغسال بن جائے۔ یعنی ایسا ہو جیسا کہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت کی حالت ہوتی ہے۔ ہمارے پاس بعض ساتھی آتے ہیں، وہ ہم سے مشروط اصلاح چاہتے ہیں، کہ ان ان باتوں میں تو ہمیں کچھ نہ کہیں باقی باتیں ہم مان لیں گے۔ اگر شیخ نے ان کے ساتھ ایسا وعدہ کرلیا کہ ہاں صحیح ہے تو ٹھیک ہے ان کی اتنی ہی اصلاح ہوگی جتنی کے لئے وہ تیار ہیں، یعنی اس کا منتہا وہی ہوگا۔ مثلاً کسی نے تیس فیصد کو اصلاح سے خارج کردیا کہ یہاں پر تو میری بات اپنی ہوگی۔ باقی ستر فیصد میں، میں مانوں گا۔ تو اس کی زیادہ سے زیادہ ستر فیصد ہی اصلاح ہوگی۔ اس تیس فیصد میں نہیں ہوگی۔ اب سو فیصد اصلاح تب ہی ہوسکتی ہے جب سو فیصد اصلاح کے لئے تیار ہوجائے گویا کہ اس میں میں وہ ایک مخفی دعویٰ کرتا ہے کہ اتنے میں شیخ کی رائے معتبر نہیں تو جس چیز میں انسان دعویٰ کرے گا تو اس میں ہی پیچھے رہ جائے گا۔ ایسا عموماً ناسمجھی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کو سمجھ نہیں، اس کو ابھی پتہ نہیں لگا۔ بعد میں وہ مان لیتا ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے بعد۔ کاکا صاحبؒ کے پاس ایک صاحب آئے ہوئے تھے۔ تو حضرت کی توجہ کی نظر ہوتی تھی اس میں بہت کچھ مل جاتا تھا۔ تو اب ظاہر ہے کسی کو بہت کچھ آپ دیں اور اس کے لئے اس کا جسم تیار نہ ہو تو تکلیف تو ہوتی ہے مثلاً اچھا خاصا ٹانک کھلا دیں کسی کو۔ اس کا بھی تو کچھ وقتی اثر ہوتا ہے۔ انسان گڑبڑ ہوجاتا ہے۔ پھر ڈاکٹر اس کو کہتا ہے کوئی بات نہیں ایڈجسٹ ہوجائے گا۔ اب وہ بات اس کو سمجھ نہیں آتی کہتا ہے ڈاکٹر صاحب کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو کہتا کہ اس کو نکالیں۔ اب وہ اس کا معدہ واش کرلیں یا کچھ اور کرلیں تو وہ بوجھ بھی ختم ہوجائے گا لیکن ساتھ میں وہ چیز بھی

ختم ہوجائے گی۔ وہ چیز تو نہیں رہے گی، تو ان پر کاکا صاحبؒ نے توجہ کرلی تو اس وجہ سے اس کو ایک نعمت حاصل ہوگئی۔ جو اس کی سمجھ میں اس کی برداشت سے باہر تھا۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ برداشت ہوجائے گا۔ تھوڑا سا صبر کرو۔ اس نے کہا نہیں حضرت اس کو ختم کریں۔ حضرت نے فرمایا نہیں بھئی برداشت کرلو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ جب اس نے بالکل کہا کہ جی اب برداشت نہیں ہورہا۔ تو حضرت نے اس پر ہاتھ پھیر لیا، تو وہ ساری چیز سلب ہوگئی۔ اب جب سلب ہوگئی تو اس کو پھر احساس ہوگیا کہ او ہو یہ تو ایک نعمت ملی تھی۔ کہا حضرت دوبارہ دے دیں، حضرت نے فرمایا نہیں یہ بار بار نہیں ملتی۔ اسی طرح یہ چیزیں ہوا کرتی ہیں، تو بعد میں لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے تو اکثر ایسا ناسمجھی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض دفعہ تکبر کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر آدمی نیا نیا آیا ہے تو ابھی اس نے اپنے نفس کو ذلیل نہیں کیا تو نتیجتاً اس کی اپنی شرارت موجود ہوتی ہے۔ تو وہ سوچ سکتا ہے کہ بھئی یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ تو کبھی کبھی تکبر کی وجہ سے بھی ایسا ہوتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس ایک شخص آئے، تو حضرت نے ان کو ایک طریقہ بتایا تکبر کو دور کرنے کیلئے، کیونکہ اس میں تکبر بہت تھا۔ انہوں نے کہا کہ اخروٹ لے لو ٹوکرا بھر کر اور باہر جاکر کہہ دو کہ جو مجھے ایک دھول مارے اس کو ایک اخروٹ ملے گا۔ تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایسا تو میں کبھی نہیں کرسکتا۔ تو حضرت نے فرمایا خدا کے بندے اتنا بڑا کلمہ ہے کہ کافر پڑھ لے تو مسلمان ہوجائے، تو اس کو پڑھ کر کافر طریقت ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کلمہ اس وقت تکبر کے لئے استعمال کیا۔ کہ گویا اس سے میری شان گھٹ رہی ہے تو میں ایسا کام کروں گا جس سے میری شان گھٹ جائے۔ تو اس نے بات تو صحیح کی لیکن موقع غلط تھا۔ موقع اس چیز کا نہیں تھا۔ اس وقت اس کو بات ماننی چاہیے تھی۔ تو بعض دفعہ ایسا تکبر کی وجہ سے بھی ہوجاتا ہے۔

سوال: تصوف کی کتابوں میں بار بار احوال اور مقامات کا ذکر آتا ہے یہ کیا ہوتے ہیں؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل کو اپنے لیے بنایا اور اس میں ہمیں اختیار دے دیا کہ ہم

اپنے دل کو اللہ کے لیے مختص کر دیں یا اس میں غیر کو بسائیں۔ پس جنہوں نے اس کو غیر کے لیے چھوڑا تو وہ ناکام اور نامراد ہوئے اور جنہوں نے اسے اللہ کے لیے فارغ کیا وہ کامیاب ہوئے۔ ایسے دل کو سلیم دل کہتے ہیں جس کے لیے ارشاد ہے اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ یعنی جو اللہ کے پاس سلیم دل لے آیا، اب سلیم دل کے اندر کچھ صفات ہونی چاھئیں، جو ان کی اضداد کے دفع ہونے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان صفات کو جن کے دل میں ہونے سے دل سلیم بنتا ہے مقامات کہتے ہیں اور یہ اختیاری ہوتے ہیں اس لیے ان کو کسبی بھی کہتے ہیں۔

طریق میں سالک کو بعض دفعہ عجیب وغریب تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے دل میں مختلف قسم کی کیفیات پیدا اور ختم ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے پیدا ہونے اور ختم ہونے یا بقاء پر سالک کو کوئی اختیار نہیں ہوتا ان کیفیات کو احوال کہتے ہیں۔ اگر یہ مقامات کے لیے معاون بن جائیں تو محمود ہیں اور اگر مقامات کے لیے نقصان دہ ہوں تو مذموم ہیں۔

بعض احوال میں بالکل ضرر نہیں ہوتا اور بعض سے ضرر ہوسکتا ہے۔ جن سے ضرر نہیں ہوتا ان میں دعا کی قبولیت، الہام، رویائے صالحہ، فراست صادقہ، فناء و بقاء، وحدۃ الوجود مگر ہوش کے ساتھ اور وجد وغیرہ شامل ہیں اور جن سے نقصان ہونے کا اندیشہ ہے ان میں استغراق، تصرف، سکر، قبض وبسط، مشاہدہ، کرامت اور کشف وغیرہ شامل ہیں۔

سوال: دل کی اصلاح اور نفس کی اصلاح میں کیا فرق ہے؟

جواب۔ دل کا ذکر سے منور کرنا تاکہ اس کا عالم بالا سے تعلق بمقابلہ سفلی دنیا کے زیادہ ہوجائے، دل کی اصلاح کہلاتا ہے۔ نفس کا فجور کی طرف جو میلان ہے اس کو مجاہدے سے اتنا دبانا کہ وہ کالعدم ہوجائے نفس کی اصلاح کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ذکر کے ذریعے دل منور کرکے اس کا آئینہ اتنا صاف کیا جائے کہ اس میں حق حق اور باطل باطل نظر آئے اس کے ساتھ اپنے نفس کی کمزوریوں کو جاننے لگے، یہ دل کی اصلاح ہے اس صورت میں دل قلب سلیم بن جائے گا جس کا رب تعالیٰ نے تقاضا کیا ہے اور نفس امّارہ

کی شدت کو مجاہدہ کے ذریعے توڑ کر اس کو ندامت آشنا کرتے کرتے اس کو شریعت پر چلنے پر اس طرح آمادہ کیا جائے کہ بالآخر نفس کو شریعت پر چلنے میں مزہ آئے یہ نفس کی اصلاح ہے۔ اس صورت میں نفس نفسِ مطمئنہ کہلائے گا۔

سوال: لطائف اور مراقبات کا دل کی اصلاح میں کیا کردار ہے؟

جواب۔ اچھا سوال ہے۔ لطائف اور مراقباتِ فاعلہ ہیں یعنی انسان کے اندر جو چھپی ہوئی صلاحیتیں ہیں ان کو بیدار کرنے کے لئے جو قوتیں ہیں وہ فاعلہ کہلاتی ہیں۔ ذکر، مراقبہ، شغل تینوں چیزیں اس میں آجاتی ہیں تو فاعلہ سے دل کی اصلاح ہوتی ہے لہٰذا مراقبات سے بھی دل کی اصلاح ہوتی ہے۔ لطائف کے مشق سے دل ذکر کا خوگر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنے کا سلیقہ حاصل کر لیتا ہے اور مراقبات کے ذریعے دل کے سوچ کو مثبت امور کے طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ آخر میں جب مراقبے کا مشق اتنا ہو جائے کہ اس کے لئے ماحول بنانا ضروری نہ ہو بلکہ یہ ماحول پر غالب آجائے تو ہم کہیں گے دل قلب سلیم بن گیا۔

سوال: ہم کب کہہ سکتے ہیں کہ دل کی اصلاح ضرورت کے درجے میں ہوگئی ہے؟

جواب۔ جب دل اس پر ہر دم راضی رہے جو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یعنی شریعت پر۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ضرورت کے درجے میں دل کی اصلاح ہوگئی ہے۔ پس ضرورت کا درجہ یہ ہے کہ انسان گناہ سے بچے۔ اگر دل اتنا طاقتور ہو گیا ہے کہ انسان کو گناہ سے بچائے۔ یعنی اس کے اندر ظلمت اور نور کا ادارک ہونا شروع ہو گیا مثلاً ایک آدمی گناہ کی طرف جاتا ہے تو اس کا ظلمت کا احساس ہو جائے اور اس سے رک جائے یا ایک انسان اچھا کام کرے تو اس کو نور کا احساس ہو جائے اور اس پر جم جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ضرورت کے درجے کی اصلاح اس کی ہوگئی اب وہ اس کو استعمال میں لا کر اپنے آپ کو گناہ سے بچائے اور اچھے کاموں پر استقامت اختیار کرے۔ اس وقت اس کو کہا جائے گا اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ یعنی اپنے دل سے فتویٰ لے کیونکہ قلب سلیم اپنی حالت کو اچھی طرح جانتا

ہے اور صحیح بات کا ادراک رکھتا ہے اس لئے صحیح فتویٰ وہی دے گا۔

سوال: دعا کی قبولیت تو ہم جانتے ہیں، الہام سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ جب کسی کا دل رذائل سے صاف ہو جاتا ہے تو اس میں مختلف حقائق منعکس ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی منجانب اللہ پھر رہنمائی ہوتی رہتی ہے۔ کبھی خواب کے ذریعے، کبھی کسی کے بتانے سے اور کبھی بغیر کسی کوشش اور سبب کے۔ بس دل میں کوئی بات آ جاتی ہے جس میں اس کے لیے اشارہ ہوتا ہے۔ آخر الذکر کو الہام کہتے ہیں۔

سوال: کیا الہام پر عمل کرنا لازمی ہے؟

جواب۔ جس کو الہام ہوا ہے اگر شریعت کے مخالف نہیں تو اس کو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

سوال: دل میں تو طرح طرح کے خیالات آتے ہیں۔ ان میں سے الہام کا پتہ کیسے چلے گا؟

جواب۔ الہام استخارہ کی طرح دل پر وارد ہوتا ہے بس ان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ استخارہ میں مسنون طریقے پر باقاعدہ اس کو طلب کیا جاتا ہے اور الہام میں یہ خود بخود منجانب اللہ وارد ہوتا ہے۔ ایک بات البتہ اس میں ہوتی ہے کہ جن کو اللہ کی طرف سے الھام ہوتا ہے، ان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف مسلسل متوجہ رہتا ہے۔ یہ بھی طلب ہی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ جن کو الہام ہوتا ہے ان کو اللہ تعالیٰ وہ علم بھی ساتھ دے دیتا ہے کہ جس سے اس کو دوسروں سے جدا کیا جا سکتا ہے اور وہ علم بھی الہامی ہوتا ہے تاہم بار بار اس کو اس کا تجربہ کرایا جاتا ہے جس سے اس کو اسکا طریقہ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ یہ دوسری بات کہ اس کے الہام کو دوسرے لوگ کیا اہمیت دیتے ہیں؟ تو اس کے لیے یہ کافی ہوتا ہے کہ وہ باقی امور میں کیسا ہے اور اہل اللہ کا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔

سوال: اگر اس پر عمل نہ کیا تو کیا اس کو گناہ ہوگا؟

جواب۔ نہیں گناہ تو نہیں ہوگا کیونکہ یہ ظنی ہے البتہ اس سے دنیا کا نقصان ہو سکتا ہے۔

سوال: کس قسم کا دنیا کا نقصان؟

جواب۔ مثلاً کبھی اس کو کوئی جسمانی تکلیف پیش آتی ہے، کبھی کوئی اور پریشانی ہوتی ہے،

زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ اعمال میں ذوق وشوق جاتا رہتا ہے۔

سوال: ذوق وشوق کا جاتے رہنا تو دین کا نقصان ہوا۔

جواب۔نہیں۔ذوق وشوق دین نہیں دنیا ہے لیکن دین کے لیے معین بن سکتا ہے۔پس اس کے جاتے رہنے سے دین کا نقصان بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر سالک بغیر ذوق وشوق کے کام چلائے رکھے تو دین کے نقصان سے بچ جائے گا۔

سوال: رویائے صالحہ سے کیا مراد ہے؟

جواب۔اس سے مراد اچھے خواب ہیں۔سالکین کی ان کے ذریعے رہنمائی ہوتی ہے۔لیکن یہ چونکہ بذات خود مقصود نہیں اور نہ یہ اختیاری ہیں اس لیے اس کے درپے نہیں ہونا چاہیئے۔ حدیث شریف میں خوابوں کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ان میں کچھ خیالات ہوتے ہیں، کچھ شیطان کے اثر سے ہوتے ہیں اور کچھ مبشرات۔ان مبشرات سے مراد اچھے خواب ہیں۔

سوال: کوئی اچھا خواب نظر آئے تو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب۔کسی خیر خواہ تعبیر دینے والے کو بتانا چاہیئے۔کسی کا مرید ہو تو اپنے شیخ کو بتانا چاہیئے۔اس پر ناز نہیں کرنا چاہیئے نہ ہی اس کو بزرگی کی نشانی سمجھنی چاہیئے۔اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

سوال: برا خواب نظر آئے تو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب۔بائیں طرف تین بار تھتکار کر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنی چاہیئے۔

سوال: کسی کو بہت زیادہ خواب نظر آتے ہوں تو اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔بعض دفعہ یہ ایک ذہنی بیماری سے بھی آتے ہیں اس کے لیے کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں یا پرواہ نہ کریں۔

سوال: خواب کی تعبیر کیسے دیتے ہیں؟

جواب۔اس کا بتانا ممکن نہیں۔یہ ایک خداداد نعمت ہے جس کو ملتی ہے بس وہی صحیح تعبیر دے

سکتا ہے۔اصل میں خواب اور اس کی تعبیر دو آدمیوں کا کشف ہے،ایک خواب دیکھنے والے کا اور ایک تعبیر دینے والے کا۔ یہ دونوں غیر اختیاری اور وہبی ہیں۔اس لیے جس کو خوابوں کے ساتھ مناسبت نہ ہو چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو خواب کی صحیح تعبیر نہیں دے سکتا۔ البتہ شیخ کا معاملہ مختلف ہے شیخ کو اللہ تعالیٰ اپنے مرید کے لیے اس وقت کشف دے دیتے ہیں چاہے اس کو اس کا پتہ نہ ہو واللہ اعلم۔

سوال: فراست صادقہ کسے کہتے ہیں؟

جواب۔یہ دانائی کی ایک خاص قسم ہے جس میں کشف کا پہلو پایا جاتا ہے اور یہ اللہ والوں کو عطا کی جاتی ہے اور اونچے درجے کے احوال میں سے ہے۔جن لوگوں کے دل صاف ہوتے ہیں ان میں حقائق القاء ہونے لگتے ہیں جس سے ان کو اصل صورت حال کا پتہ چل جاتا ہے۔علوم میں شرح صدر اسی قبیل سے ہے۔صحابہ کرامؓ کے دور میں ان کی بنائی ہوئی مساجد کا قبلہ درست نکلتا ہے حالانکہ اس وقت قطب نما نہیں تھے۔جو اللہ تعالیٰ کے بن جاتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ جو کچھ نہ ہو اس کے بارے میں سوچنا چاہیئے جو ہو رہا ہے اس میں کیا سوچنا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو سب چیزوں پر قادر ہیں۔

سوال: قوالیوں میں بعض لوگ اچھل کود کر رہے ہوتے ہیں۔لوگ کہتے ہیں کہ یہ وجد میں آئے ہیں یہ وجد کیا ہوتا ہے؟

جواب۔قوالیوں میں کسی کی یہ حالت ہونا جب کہ اس میں مزامیر یعنی آلات موسیقی (Musical Instruments) ہوں تو یہ شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے البتہ وہ تغیر جو کسی حال کی وجہ سے ہو وجد کہلاتا ہے مثلاً جھرجھری آنا، آنسوؤں کا آنا، تڑپنا، بیہوش ہونا وغیرہ۔ اگر کوئی اپنے قصد سے ایسا کرے یعنی ایسا ماحول بنائے کہ ایسا ہو جائے تو یہ **تواجد** کہلائے گا اگر یہ ریاء کے لیے ہو تو ناجائز ہے۔

سوال: وجد کن کو ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے؟

جواب۔ وجد صاحب حال حضرات کو ہوتا ہے۔ حال جتنا اونچا ہوگا وجد اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ لیکن دوسری طرف یہ صاحب وجد کی قوت پر بھی منحصر ہے پس اگر اس کی قوت زیادہ ہوگی تو اس کو تغیر کم ہوگا اور اس کی قوت کم ہوگی تو تغیر زیادہ ہوگا۔ اس لیے کاملین اور اسلاف کو زیادہ تغیر نہیں ہوتا تھا۔ اگر وہی احوال موجودہ لوگوں کو پیش آتے تو مر جاتے۔

سوال: وحدۃ الوجود کے بارے میں کچھ بتائیے کیونکہ بعض لوگ اس لفظ سے لوگوں کے دلوں میں عجیب عجیب وسوسے پیدا کرتے ہیں۔

جواب۔ وحدت کا مطلب ایک ہے اور وجود کا مطلب موجود ہونا ہے پس اس کا لفظی مطلب یہ ہے کہ ایک ہی کا موجود ہونا جس کو ہمہ اوست بھی کہتے ہیں کہ سب کچھ وہی ہے۔ اب اگر ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور موجود ہی نہیں تو قرآن کس پر نازل ہوا کس کے لیے نازل ہوا، شریعت کن کے لیے ہے۔ مخلوق کون ہے کا جواب نہیں دیا جا سکے گا۔ لیکن اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا تصرف حقیقی ہے اور باقی کا ظلی یعنی ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس کی فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس لیے جس کے قلب پر اللہ تعالیٰ کا تصور ایسا چھا جائے کہ باقی کا لعدم ہو جائیں تو اس وقت اس کو ہر چیز میں صرف وہی نظر آئیں گے اور کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ الغرض یہ ایک حال ہے اور غلبہ کی ایک کیفیت ہے اصل چیز قرآن وحدیث ہے اس کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔ پس اگر اس کو حال کے درجے میں رکھا جائے اور شریعت سے انحراف نہ ہو تو ٹھیک ہے اور اگر اس کو فلسفہ بنایا جائے تو غلط ہے۔

سوال: کیا وحدت الوجود اور وحدت الشہود ایک ہی چیز ہے؟

جواب۔ جی ہاں یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ پہلی اصطلاح پہلے بزرگوں کے ہاں رہی ہے اور اس کا مفہوم وہی تھا جو بیان کیا گیا لیکن غلط کار لوگوں نے جب اس کو غلط معنی پہنانا شروع کئے تو حضرت مجدد صاحبؒ نے اس کی تشریح وحدت الشہود کے نام سے کی جس میں غلط معنی کی طرف جانا کم ممکن ہے اس لیے وحدت الشہود کا مطلب بھی وہی ہے جو صحیح

وحدت الوجود کا ہے۔

سوال: استغراق سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ کسی حال میں ایسا غرق ہوجانا کہ موجود حقائق کا پتہ نہ چلے حالت استغراق کہلاتا ہے۔ یہ محمود ہے اگر اس سے کوئی شرعی عیب پیدا نہ ہو۔ ہمارے اکابر میں جن کو استغراق ہوتا وہ کسی کے ذمے ڈیوٹی لگاتے کہ نماز کے لیے ان کو اس حالت سے نکالا جائے۔ پس حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو نماز کے لیے ان کے کان میں حق حق کے نعرے لگا کر جگایا جاتا۔ عام لوگ اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں لیکن اگر یہ کوئی بڑی بات ہوتی تو آپ ﷺ یہ نہ ارشاد فرماتے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں لیکن نماز میں کسی بچے کی آواز کو سن کر تخفیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو۔ اس کی تشریح بھی وہی ہے جو وجد کی صورت میں گزر گئی۔

سوال: اگر کسی امام کو استغراق ہو تو اس کو کیسے جگایا جائے؟

جواب۔ ایسا شخص جس کو ایسا ہوتا ہو امام نہ بنے۔ ہاں اگر اتفاق سے ایسا کبھی ہوجائے تو مقتدی اس کو لقمہ دے سکتے ہیں۔ اگر لقمہ سے بھی کام نہ بنے تو پھر نماز دوبارہ کسی اور سے پڑھوانی ہوگی۔

سوال: کیا ایک انسان دوسرے انسان میں تصرف کرسکتا ہے؟ جیسا کہ بعض سمجھتے ہیں؟

جواب۔ اپنے ارادے اور ہمت کو کسی خارجی جسم میں خاص کام پر مرکوز کر کے کوئی کام اس سے کروانا یا اس میں کوئی تبدیلی لانا تصرف کہلاتا ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے، جیسا کہ مسمریزم وغیرہ میں ایک انسان دوسرے انسان کو متاثر کرتا ہے۔ جس سے بعض دفعہ عجیب عجیب چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ اس طرح شیخ مرید کے اندر اپنے قوت خیالیہ سے تاثر پیدا کرسکتا ہے۔ پس مسمریزم اور روحانی تصرف ایک ہی قوت سے آتے ہیں لیکن ایک کا استعمال غلط جگہ ہے دوسرے کا صحیح جگہ۔

سوال: تو کیا بزرگ بھی توجہ دیتے ہیں؟ نیز کیا ان کی توجہ سے کام ہوجاتے ہیں؟

جواب۔ جی ہاں۔توجہ دیتے ہیں۔اکثر نقشبندی حضرات اس سے کام لیتے ہیں۔قلبی ذکر چلانے کیلئے وہ عموماً توجہ سے کام لیتے ہیں البتہ بعد میں سالک کو خود کام کرنا پڑتا ہے۔اگر بعد میں سالک اس کو نہ سنبھال سکے تو وہ نعمت ختم بھی ہوسکتی ہے۔بعض سالکین جب پہلی دفعہ اس کو توجہ سے ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو ان کو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ پھر توجہ سے ان کو یہ ملے اور ملتا رہے جس سے ان میں کسل پیدا ہوتا ہے جو کہ طریقت میں بہت نقصان دہ ہے اس لئے بعض دوسرے مشائخ اس توجہ والے طریقے سے متفق نہیں۔دوسری بات یہ کہ وساوس اور حدیث نفس کی موجودگی میں چونکہ مراقبہ شروع کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے توجہ سے ان کی مدد کی جاتی ہے لیکن یہاں بھی یہی بات یعنی کسل مندی کا احتمال ہوتا ہے۔بعض مشائخ اجتماعی ذکر کو توجہ معروف کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔اس میں بھی یہ خطرہ موجود ہے لیکن کم ہے کیونکہ اس میں جب سالک ایک دفعہ جہری ذکر سیکھ لے تو اس کو پھر مشکل پیش نہیں آتی اور اس کا سیکھنا مشکل نہیں ہوتا اس لئے سالک آسانی سے چل پڑتا ہے اس کو آگے بڑھانا اب سالک کی ہمت، اطلاع اور اتباع پر موقوف ہوتا ہے۔ذکر جہر کے بعد مراقبہ آسان ہوجاتا ہے کیونکہ ذکر جہر مشہور قاطع وساوس ہے۔

سوال: اگر یہ بات ہے تو پھر تو ایسے لوگوں کی بات ٹھیک لگتی ہے کہ فیض کا انتقال شیخ کی مرضی پر ہے وہ جو چاہے کردے، خود سے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

جواب۔یہ تصرف وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی گاڑی پھنسی ہو اس کو نکالنے کے لیے لوگ زور لگاتے ہیں کہ نکل جائے لیکن بعد میں جب یہ گاڑی نکل جائے تو کیا وہ گاڑی والا اپنا انجن بند کرکے ان لوگوں سے کہے گا کہ دھکا لگاتے جاؤ اس وقت اس کا ساتھ کوئی دے گا؟ ہرگز نہیں پس وقتی طور پر شیخ اپنی ہمت اور توجہ سے کسی کو ایک حال سے نکال کر دوسرے میں لے آئے تو ٹھیک ہے لیکن بعد میں اس کی بقا اور مزید ترقی مرید کے اپنے کام کرنے سے ہی ہوگی۔

سوال: ہم نے تو سنا تھا کہ ہمارے اکابر ایسی توجہ نہیں دیا کرتے ہیں؟

جواب۔ جی ہاں ہمارے اکابر کے ہاں اس قسم کے تصرفات شاذ و نادر ہوا کرتے ہیں کیونکہ اس کے لیے اپنے دل کی توجہ حق تعالیٰ سے ہٹا کر اس مرید کی طرف کرنی پڑتی ہے جس سے ہمارے اکابر کی غیرت آڑے آتی ہے۔ یہ حضرات تلقین و دعا سے یہ کام لیتے ہیں جو کہ اقرب الی السنۃ ہے۔ ہاں چونکہ کبھی کبھی آپ ﷺ سے بھی تصرف ثابت ہے اس لیے کبھی کبھی توجہ کر بھی لیتے ہیں۔ ذکر بالجہر اجتماعی سے بھی حلقہ متعارفہ کا کام لیا جاتا ہے۔

سوال: سکر کے بارے میں ہمارے اکابر کی کیا تحقیق ہے؟

جواب۔ کسی حال کے غلبہ سے ظاہری اور باطنی احکام میں تمیز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا واپس آنا صحو ہے۔ حضرت عمرؓ کا آپ ﷺ سے یہ کہنا کہ آپ عبداللہ بن ابی پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ یہ بغض فی اللہ کے غلبہ سے سکر کی وجہ سے تھا کیونکہ بعد میں جب اس سے افاقہ ہوا تو خود فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی اس جرأت پر تعجب ہوا۔ ناقصین کو یہ حالت زیادہ پیش آتی ہے لیکن کبھی کبھی حال کے بہت قوی ہونے کی وجہ سے کاملین کو بھی پیش آ سکتی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ پیش آئی۔

سوال: اگر کسی سالک سے سکر کی حالت میں کوئی کلمہ ایسا نکل جائے جو شریعت کے مطابق نہیں تو جب اس کو افاقہ ہو جائے تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب۔ صحو کی حالت میں اس کو اشک ندامت اور استغفار سے اس کی تلافی کرنی چاہیئے۔ ہوش کی حالت میں ضبط لازم ہے۔ اگرچہ حالت سکر میں یہ الفاظ گناہ میں نہیں آتے کیونکہ اس وقت وہ ہوش میں نہیں ہوتے۔ لیکن چونکہ صحو کا بالکل نہ ہونا ثابت کرنا بہت مشکل ہے اس لیے استغفار لازم ہے تاکہ کسی ممکنہ غلطی کی تلافی ہو جائے۔

سوال: قبض اور بسط کیا ہوتے ہیں؟

جواب۔ واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض کہلاتا ہے اور ان واردات کا حاصل ہونا بسط۔ جب محبوب کی تجلی جلالی سالک کے قلب پر پڑتی ہے تو اس سے سالک دہشت میں آ جاتا ہے اور عالم خوف میں دل گرفتہ ہو جاتا ہے جس سے اس کے دل کا سرور

اوراطمینان تہس نہس ہوجاتا ہےاور سالک اپنے آپ کومردود خیال کر کے زندگی سے بیزار ہوجاتا ہے کیونکہ جس کے لیے اس نے سب کو چھوڑا تو اب بظاہر اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس محبوب نے مجھے چھوڑ دیا۔اس سے غموں کا پہاڑ اس کے دل پر آجاتا ہے جس سے بعض اوقات خودکشی تک کی نوبت آسکتی ہے۔اس وقت شیخ کامل کی بڑی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی تسلی اور توجہ سے مدد کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس حالت سے نکل نہ جائے۔

سوال: کیا قبض میں بھی کوئی مصلحت ہوسکتی ہے؟

جواب۔اس میں بہت ساری مصلحتیں ہوسکتی ہیں جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں البتہ مختصراً یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم یہاں پر آزمائش کے لیے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح آزما سکتے ہیں۔ دوسرا اچھے اعمال کرتے کرتے سالک عجب میں مبتلا ہوسکتا ہے جس کی وجہ اپنے پر نظر ہوتی ہے۔قبض میں اس کی نظر محبوب کے جلال اور استغناء کی طرف کر دی جاتی ہے جس سے عجب اور تکبر کی جڑ کٹ جاتی ہے۔حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ قبض کو لطف بصورت قہر کہتے تھے۔

سوال: کیا ہمیشہ قبض ان ہی وجوہات سے ہوتا ہے؟

جواب۔نہیں کبھی کبھی اس قسم کے حالات سوء اعمال، رزق حرام یا کسی اخلاقی غلطی کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔اس وقت استغفار ہی اس کا علاج ہے۔

سوال: اس کا پتہ کیسے چلے گا کہ یہ قبض ہے یا سزا؟

جواب۔شیخ کامل اسی لیے تو ہوتا ہے۔اس کے ساتھ رابطہ رکھا جائے۔قبض سمجھ کر صبر کرنا اور سزا کے امکان سے استغفار کرنا مناسب علاج معلوم ہوتا ہے۔

سوال: مشاہدہ سے کیا مراد ہے؟

جواب۔کسی امر کے استحضار کا دل پر غالب ہوجانا اصطلاحاً مشاہدہ کہلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا استحضار اگر نصیب ہوجائے تو مشاہدہ کہلائے گا۔اس کو کیفیت حضوری بھی کہتے ہیں۔بندہ اس کے دوام کا متحمل نہیں ہوتا اس لیے دوسرے اعمال میں مشغول کر دیا جاتا ہے۔

حضرت حنظلہؓ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہم کو دوزخ اور بہشت کی یاد دلاتے ہیں تو اس وقت ایسے ہوتے ہیں گویا کھلی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہے ہیں۔

سوال: کرامت کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ اگر نبی کے کسی متبع کے ہاتھ پر کوئی ایسا کام صادر ہو جائے جو کہ عام لوگ نہیں کر سکتے وہ کرامت کہلاتا ہے۔ ہر عجیب کام کو کرامت نہیں کہتے پس اگر کوئی فاسق و فاجر، بدعتی یا غیر مسلم ہے تو اس کے ہاتھ پر کوئی عجیب کام واقع ہو تو وہ استدراج کہلائے گا۔

سوال: معجزہ اور کرامت میں کیا فرق ہے؟

جواب۔ معجزہ اور کرامت میں کمیت اور کیفیت کا فرق نہیں ہوتا کیونکہ دونوں اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں، صرف بندے کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہوتا ہے لیکن معجزہ نبی کی نبوت کی نشانی اور کرامت ولی کی تائید الٰہی ہوتی ہے۔

سوال: کیا اصحاب کرامت ان حضرات سے جن کے ہاتھ پر کرامت واقع نہیں ہوتی افضل ہوتے ہیں؟

جواب۔ بالکل نہیں، ورنہ وہ صحابہ جن کے ہاتھ پر کرامت واقع نہیں ہوئی وہ ان اولیاء سے کم تر قرار پائیں گے جن کے ہاتھ پر کثیر تعداد میں کرامات واقع ہوتی رہی ہیں۔

سوال: اگر ایسا ہے تو کرامت پھر کس لیے ہوتی ہے؟

جواب۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ کرامت تائید الٰہی کے اظہار کے لیے ہوتی ہے۔ بعض کو اس کے ظہور کی ضرورت نہیں ہوتی سو ان کے ہاتھ پر کرامات واقع نہیں ہوتیں۔ جہاں تک قرب کی بات ہے اس میں کرامت کو دخل نہیں کیونکہ اس کا مرتبہ ذکر لسانی سے بھی کم ہے۔ ایک شخص ہے اس کے ہاتھ پر بڑی کرامت واقع ہوئی اور دوسرے شخص کو اس وقت ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی توفیق ملی۔ تو پہلے صاحب کے قرب میں کرامت سے کوئی اضافہ نہیں ہوا جبکہ دوسرے شخص کے قرب میں سبحان اللہ کہنے سے اضافہ ہوا۔

سوال: کیا کرامت ولی کے ارادے پر ہوتی ہے؟

جواب۔ضروری نہیں۔بعض دفعہ خود اس ولی کو بھی پتہ نہیں ہوتا۔بعض دفعہ پتہ چل جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ جب چاہے کسی کے ہاتھ پر بھی کرامت کا اظہار کردے۔

سوال: کشف کسے کہتے ہیں؟ کیا اس کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی چاہیئے؟

جواب۔کشف کسی پردے والی چیز کے ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بہت ساری چیزیں پیدا کی ہیں جن پر پردے پڑے ہوئے ہیں یا بہت سارے واقعات ہوئے ہیں، ہورہے ہیں یا ہوں گے اور ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی پر ظاہر کردیں تو یہ کشف کونی کہلاتا ہے۔اس میں کافر و مسلمان کی بھی تخصیص نہیں۔کیونکہ یہ دنیا کی چیزیں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ بعض کی نظر تیز اور بعض کی کم رکھتے ہیں اسی طرح کسی پر زیادہ چیزوں اور واقعات کو ظاہر کرتے ہیں کسی پر کم۔اس طرح بہت سے علوم و معارف اور اسرار ہیں جو عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں اور بعض خوش قسمتوں کو ان میں سے کچھ عطا فرمادیتے ہیں۔اس کو کشف الٰہی کہتے ہیں۔یہ البتہ ایک عظیم نعمت ہے لیکن غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے کوئی اس کے بھی درپے نہ ہو کیونکہ قبولیت کا دارومدار معلوم چیزوں میں خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے پر ہے۔پس جتنا علم ضروری ہے اس کا تو حاصل کرنا ضروری ہے اور وہ کسبی اور اختیاری ہے اور جو غیر اختیاری ہے اس کے بارے میں فیصلہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

سوال: جو بات کشف سے معلوم ہو کیا اس پر عمل ہوسکتا ہے؟

جواب۔عمل شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے، چاہے اس کو کشف ہو یا نہ ہو کیونکہ شریعت وحی سے ہے اور ہمارے کشف کا کوئی اعتبار نہیں۔ٹھیک بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔پس یقینی کے مقابلے میں ظنی کی کیا حیثیت ہے!

سوال: کیا کشف میں اپنے اختیار کو دخل ہے؟

جواب۔ضروری نہیں۔اللہ تعالیٰ کسی وقت اختیار دے سکتا ہے ورنہ بعض اوقات صاحب

کشف کو بھی اسی وقت پتہ چلتا ہے جس وقت وہ کام ہو رہا ہو۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ساریہؓ کا واقعہ اس کی دلیل ہے۔

سوال: اگر کشف شریعت کے مطابق تو ہے لیکن دو کشفوں میں اختلاف ہے تو کس کو ترجیح حاصل ہے؟

جواب۔ اگر وہ دونوں کشف ایک شخص کے ہیں تو آخری کشف کو ترجیح ہوگی اور اگر مختلف شخصوں کے ہیں تو جو ہوش میں ہے اس کے کشف کو ترجیح ہے اور اگر دونوں ہوش میں ہیں تو جس کا کشف اکثر شرع کے مطابق ہو اس کے کشف کو ترجیح ہے اور اگر اس میں برابر ہیں تو جس میں آثار قبولیت زیادہ نمایاں ہیں اس کو ترجیح ہوگی اور اگر اس میں بھی برابر ہیں تو جس کو دل زیادہ قبول کرے۔ اور اگر ایک کشف ایک شخص کا ہے اور دوسرا جماعت کا، تو جماعت کو ترجیح ہے لیکن اگر وہ اکیلا تنہا زیادہ اکمل ہے تو پھر تنہا اسی کا کشف زیادہ قابل اعتبار ہوگا۔ واللہ اعلم۔

سوال: کسی کے دل میں اگر حقائق و معارف نزول کریں تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟

جواب۔ جیسا کہ سیریہ میں ابوسلیمان دارانی کا قول ہے کہ اس کو دو گواہوں پر پیش کرنا چاہیے ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول ﷺ۔ اگر یہ تائید کریں تو قبول ہے ورنہ رد۔

سوال: یہ حقائق و معارف کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔

جواب۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت میں لگ جائے تو خود ہی سب حقائق و معارف منکشف ہونے شروع ہو جائیں گے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

ترجمہ۔ اپنے اندر خود بغیر کسی کتاب، مکتب اور استاد کے علوم انبیا کو دیکھو گے۔

سوال: ولی سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ ولی سے مراد اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔

سوال: اولیاء اللہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب۔ دو قسم کے ہوتے ہیں۔تشریعی اولیاء اور تکوینی اولیاء۔تشریعی اولیاء انبیاء کے نائب ہوتے ہیں اور لوگوں کی ہدایت پر مامور ہوتے ہیں۔ان میں سب سے بڑے کو قطب ارشاد کہتے ہیں۔تکوینی اولیاء فرشتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ان کے ذمّے جو کام ہوتے ہیں وہ کرتے رہتے ہیں۔یہ عموماً خستہ حال ہوتے ہیں اس لیے عام لوگ ان کو پہچان نہیں سکتے۔ان میں سب سے بڑے کو قطب تکوین کہتے ہیں۔بعض اولیاء اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے لیے پیدا کئے ہوتے ہیں۔وہ اللہ کی محبت میں مست ہوتے ہیں۔ان کو کسی اور چیز کی پرواہ نہیں ہوتی اور ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی نظر سے چھپایا ہوتا ہے اس لیے ان کو کوئی اور شخص نہیں جانتا۔

سوال: کہتے ہیں کہ اولیاء میں بعض مجذوب بھی ہوتے ہیں۔یہ مجذوب کون ہوتے ہیں؟

جواب۔عوام مجذوب ان کو سمجھتے ہیں جو شریعت پر نہیں چلتے لیکن ان کا مرتبہ بہت بڑا ہوتا ہے اس لیے لوگ ان کے پیچھے پیچھے ہوتے ہیں۔اس بات کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ مجذوب اصل میں ان کو کہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچے۔ان میں سے بعض کا ہوش وحواس بالکل ختم ہوجاتا ہے۔جس سے وہ مرفوع القلم ہوجاتے ہیں اس لیے ان پر شریعت کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ان حضرات کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتا ہے لیکن لوگوں کے لیے قابل تقلید نہیں ہوتے۔اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کی وجہ سے ان کی بے ادبی نہیں کرنی چاہیئے۔اس لیے اگر کبھی سامنے آئیں تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ان کی خدمت بھی کرنی چاہیئے لیکن ان کی تقلید بالکل نہیں کرنی چاہیئے۔کیونکہ اس سے حضور ﷺ کی شریعت کی توہین ہوگی جس کی قطعی اجازت نہیں۔بعض کا ہوش وحواس تو ختم نہیں ہوتا لیکن چونکہ راستہ ایک ہی جست میں طے کیا ہوتا ہے اس لیے یہ حضرات عموماً دوسروں کی اصلاح نہیں کرسکتے۔البتہ ان میں سے بعض کو بعد میں اصلاح کے طریقوں سے گزارا جاتا ہے جس سے ان کو بھی راستہ نظر آجاتا ہے۔یعنی ان کو باقاعدہ سلوک طے کرایا جاتا ہے۔ایسے حضرات کو مجذوب سالک کہتے ہیں اور ان کی تقلید میں بڑی برکت ہوتی ہے

کیونکہ یہ مقبول بھی ہوتے ہیں اور عارف بھی۔

سوال: کیا سلوک طے کرنے کے بعد بھی جذب ہوسکتا ہے؟

جواب۔ جی ہاں۔ بعض لوگ باقاعدہ سلوک طے کرتے ہیں اور جب رذائل سے ان کو چھٹکارا مل جاتا ہے اور فضائل سے ان کا قلب آراستہ ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تجلی جذب ان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔ یہ بھی مقتدا بن سکتے ہیں اور اکثر لوگ اسی طریقہ پر چلتے ہیں۔

سوال: کیا مجذوب بننے کے لیے کوئی کوشش کرسکتا ہے یعنی کیا وہ اس کی طلب کرسکتا ہے؟

جواب۔ مجذوب سالک تو اللہ تعالیٰ کے چناؤ پر ہے اس لیے ان کو تو پتہ ہی اس وقت چلتا ہے جب ان کو کھینچا گیا ہوتا ہے۔ سالک مجذوب میں بھی محنت سلوک کی ہوتی ہے بعد میں اللہ تعالیٰ اپنی فضل سے کھینچتے ہیں کسی کو جلدی کسی کو دیر سے۔ ہمارا کام تو آپ ﷺ کی اتباع کرنا ہے۔ اس میں قرآن پاک کے ارشاد قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کے مطابق خود بخود جذب ہے۔

سوال: کیا مجذوب کو غیب کی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں؟ کیا اس سے دعا کے لیے کہا جاسکتا ہے؟

جواب۔ غیب کی باتوں کا پتہ تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے البتہ جس وقت اللہ تعالیٰ جس کو بھی کسی بات کا علم دے تو اس کو اس بات کا پتہ چل جاتا ہے۔ ان کو غیب کی خبریں کہتے ہیں اور یہ کشف کی قبیل سے ہیں۔ تو جن مجاذیب میں عقل نہیں ہوتی اکثر ان کو کشف زیادہ ہوتا ہے۔ ان سے دعا کی درخواست کرنا عبث ہے کیونکہ ان میں عقل نہیں ہوتی کچھ بھی کردے کوئی پتہ نہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان کو کشف ہوجاتا ہے تو اس کے خلاف تو یہ دعا کرنے سے رہے البتہ اپنا کشف بتادیتے ہیں۔

سوال: اس سے یہ فائدہ تو ہوا نا کہ اپنے بارے میں پتہ چلا؟

جواب۔ ہاں پتہ تو چل سکتا ہے لیکن پتہ لگنے سے کیا فائدہ اگر اچھا ہوا تو اچھا بتائیں گے اور

برا ہوا تو برا بتائیں گے۔اس میں تبدیلی تو ہونے سے رہی۔البتہ جو اولیاء ہوش میں ہوتے ہیں۔ان کے پاس جانے سے فائدہ ہوتا ہے کہ وہ دعا بھی کرتے ہیں اور تربیت بھی۔

سوال: چلیں فائدہ نہ ہو لیکن مجذوب کے پاس جانے میں آخر نقصان کیا ہے؟ کیونکہ آپ کی باتوں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ مجذوبوں کے پاس جانے سے خوش نہیں۔

جواب۔اچھا سوال ہے۔مجذوب چونکہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتے اس لیے عین ممکن ہے کوئی ایسی چیز بتائیں یا کھلائیں جس سے ہمارے ہوش و حواس بھی اڑ جائیں۔دوسری بات یہ ہے کہ مجذوب کے پاس جانا تلوار پر چلنا ہے۔کیونکہ اگر ان کی بات مانی تو شریعت کی خلاف ورزی ہوسکتی ہے جو آخرت کی تباہی ہے اور اگر بات نہیں مانتی تو ہر ایک کو بچنے کا طریقہ نہیں آتا اس لیے بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جس سے دنیاوی ضرر کا خطرہ ہے۔

سوال: اگر ہمارے ہوش و حواس اڑ جائیں تو اچھا ہے ہم بھی مجذوب ہو جائیں گے۔

جواب۔ہم مجذوب ہونے کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے آئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جتنی زندگی دی ہے وہ عمل کے لیے دی ہے۔جب آدمی مجذوب ہو جاتا ہے تو عمل کا رجسٹر بند ہو جاتا ہے گویا کہ میت کی طرح ہو جاتا ہے۔دوسرے لوگ ہمارے ذریعے کمائیں یا گنوائیں ہمارے عمل کی زندگی تو ختم ہو جائے گی نا اس لیے اس طرح کا مجذوب ہونا گھاٹے کا سودا ہے۔

سوال: کیا اولیاء اللہ کی یہی قسمیں ہیں یا اور بھی ہیں؟

جواب۔یہ تو اجمال تھا اس کی تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھی جائے مثلاً شریعت و طریقت اور راقم کی کتاب **فهم التصوف** وغیرہ۔

سوال: کتابوں میں قلندر کا بھی ذکر آتا ہے کیا مجذوب اور قلندر ایک ہوتا ہے؟

جواب۔قلندر اس ولی کو کہتے ہیں جو دل کے نفلی اعمال میں بہ نسبت قالب یعنی جوارح کے نفلی اعمال کے زیادہ مشغول ہو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر وقت درست رہتا ہے ممکن ہے وہ نفل بہت زیادہ نہ پڑھتا ہو۔

سوال: اعمال قلب کو تو ہم جانتے ہیں۔ یہ اعمال قالب کیا ہوتے ہیں؟

جواب۔ اعمال قالب سے مراد ظاہر شریعت کے اعمال مثلاً نماز روزہ زکوٰۃ، صدقات وغیرہ ہیں۔ پس قلندر ظاہر اعمال جیسے ظاہر کے نوافل وغیرہ کا بمقابلہ اعمال قلب کے اہتمام کم کرتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اعمال ظاہرہ کے اہتمام میں عام اولیاء کی طرح ہو لیکن اعمال قلب میں خاص اولیاء میں ہو۔ اس کے بارے میں زیادہ تفصیل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے وعظ طریق قلندر میں دیکھیئے۔

سوال: ملامتی کے بارے میں بھی کچھ بتائیے۔

جواب۔ ملامتی اولیاء کی وہ قسم ہے جو اعمال تو کرتے ہیں لیکن اس میں اخفاء کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے ہر کام کو ایسے انداز سے کرتے ہیں کہ لوگ اس کو برا آدمی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ حقیقت میں اچھا عمل کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً بایزید بسطامیؒ ایک دفعہ سفر سے آ رہے تھے تو ایک خلقت استقبال کے لیے امڈ آئی۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا آپ نے گدڑی سے ایک روٹی کا ٹکڑا اٹھایا اور سب کے سامنے کھالیا۔ سب الٹے پیروں واپس ہوئے کہ یہ کیسا ولی ہے کہ روزہ کھاتا ہے۔ آپ نے ایک رازدار کو بتایا کہ لوگ کتنے سادہ ہیں کہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ مسافر پر روزہ نہیں۔

سوال: آخر وہ اپنے آپ کو کیوں چھپاتے ہیں؟ ان سے تو لوگوں کو ان کا فیض نہیں ملے گا۔

جواب۔ بعض حضرات کا فیض صرف مخصوص لوگوں کے لیے ہوتا ہے اس لیے باقی لوگوں سے اپنے آپ کو چھپاتے ہیں تاکہ ان کے معمولات میں حرج نہ ہو۔ اس ضمن میں وہ عوام کو وقت کے ضیاع کا سبب سمجھتے ہیں۔

سوال: کتابوں میں مبتدی، متوسط اور منتہی کے الفاظ آتے ہیں ان کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔ مبتدی وہ ہیں جو سلوک کی راہ پر ابھی چلے ہیں۔ یہ طالب تو ہوتے ہیں لیکن راستے سے ناواقف ہوتے ہیں۔ متوسط وہ طالبین ہیں جو کچھ سلوک طے کر چکے ہیں۔ یہ عموماً کیفیات آشنا ہوتے ہیں لیکن بے اعتدالی کے ساتھ۔ عوام ان ہی کو کامل سمجھتے ہیں کیونکہ

ان کی مثال ہرے بھرے کھیت کی ہوتی ہے۔ چونکہ ان کے اعمال میں رنگ زیادہ ہوتا ہے اس لیے لوگوں کے لیے جاذب ہوتے ہیں۔

منتہی کاملین ہوتے ہیں۔ان میں کیفیات اعتدال کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہ ابوالحال ہوتے ہیں،اخفاء بھی جانتے ہیں اور اظہار بھی۔عوام میں ان کی پذیرائی عموماً کم ہوتی ہے کیونکہ ان کے بعض احوال مبتدیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ان کی مثال پکی ہوئی فصل کی طرح ہوتی ہے کہ کام کی تو وہی حالت ہوتی ہے لیکن جاذب نظر نہیں ہوتی۔

سوال: نسبت کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔نسبت کا مطلب ہے لگاؤ اور تعلق۔ بندے کا حق تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص لگاؤ جیسا کہ عاشقِ مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے۔ بندے کی طرف سے سنت پر چلنے کا اہتمام اور رب کی طرف سے دم بدم قبولیت، یہ نسبت کہلاتی ہے۔اس کا اندازہ کاملین کو ہو جاتا ہے ورنہ صاحب نسبت تو خود کو ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے۔ وہ تو اپنے آپ کو مبتدیوں کی فہرست میں بھی نہیں سمجھتا البتہ امتثال امر کے طور پر ڈیوٹی سے منہ نہیں موڑتے۔

سوال: نفس کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ یہ عربی کا وہ لفظ ہے جس کا مفہوم کافی وسیع ہے۔ یہ انسان کے اندر ایک ایسی حیوانی قوت ہے جسکے ذریعے خواہش کی جاتی ہے۔یعنی اس کو مبداءِ خواہش کہنا چاہیئے۔

سوال: سلوک میں کن چیزوں سے بچنا بہت ضروری ہے؟

چند چیزیں جو کہ سلوک کیلیے زہر قاتل ہیں ان میں تصنع ،تعجیل ،حسن پرستی ،مخالفت سنت اور مخالفت شیخ آتے ہیں۔ان سے بچنا ازحد ضروری ہے ورنہ سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔

سوال: تصنع سے کیا مراد ہے؟

جواب۔مصنوعی طور سے اپنے آپ کو صاحب حال یا بزرگ ظاہر کرنا تصنع ہے۔اس سے وہ امور مستثنیٰ ہیں جن کی شریعت میں اجازت یا حکم ہے۔

سوال: کیا تصنع میں کچھ چیزیں جائز بھی ہیں؟

جواب۔ جی ہاں۔ مثلاً دعا میں رونے کے بارے میں ارشاد ہے کہ رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بنائے۔ یہ گو کہ تصنع ہے لیکن مطلوب ہے اور مراد اس سے بتکلف عاجزی کا اظہار ہے۔

سوال: اگر کسی کو خلافت نہ ملی ہو لیکن وہ مرید کرنا شروع کر دے تو کیا یہ بھی تصنع ہے؟

جواب۔ کیوں نہیں یہ تو تصنع کی انتہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ایسے امر کا اظہار کرے جو اس کو نہیں ملا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے دونوں کپڑے جھوٹ کے پہن لئے۔ پس بلا خلافت مرید کرنا تو صریح دھوکہ ہے اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو بچائے۔

سوال: اگر اس سے اس کے مریدوں کو دینی نفع ہو تو کیا پھر بھی ناجائز ہے؟

جواب۔ جی ہاں پھر بھی ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی فاسق کے ذریعے اپنے دین کی نصرت کراتا ہے۔ پس مریدوں کو نفع ہونا ناممکن نہیں۔ عین ممکن ہے کہ ان کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ پیر کو نواز دے لیکن خود یہ پیر تو پکڑا جائے گا کہ اس نے لوگوں کے ساتھ دھوکہ کیا۔ دین کی خدمت صرف پیری میں تو نہیں کوئی بھی دین کا کام کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کو دین کے کام کا شوق ہے تو علماء کرام کے ساتھ رابطہ قائم کرے وہ اس کو اس کے مناسب، دین کا کوئی کام سمجھا دیں گے۔ اور نہیں تو موجودہ تبلیغی جماعت کے ساتھ مل کر دین کا کام کر سکتے ہیں۔

سوال: کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض لوگ ابوالحال ہوتے ہیں یعنی کوئی بھی حال اپنے اوپر طاری کر سکتے ہیں اور ان کو کاملین میں سے بتایا جاتا ہے تو کیا یہ تصنع میں داخل نہیں؟

جواب۔ نہیں۔ کیونکہ تصنع کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو کوئی حال نصیب نہ ہو اور وہ اس کو ظاہر کرے۔ یہاں تو ان کو وہ حال نصیب ہوتا ہے اگرچہ اس وقت ہوتا ہے جس وقت ان کی مرضی ہوتی ہے پس اس وقت وہ صاحب حال ہوتے ہیں اس لیے ان کو ابوالحال کہا گیا۔

سوال: تعجیل سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔تعجیل جلدی کرنے کو کہتے ہیں۔ یہاں جولوگ ثمرات کی جلدی کے طالب ہوتے ہیں ان کے اس عمل کو تعجیل کہتے ہیں۔

سوال: اچھی چیز میں جلدی کرنا تو مطلوب ہے تو اس سے نقصان کیسے ہوا؟

جواب۔جو عمل اختیاری ہے اس میں تعجیل اگر ممکن ہو تو بعض دفعہ مستحسن ہوتی ہے لیکن غیر اختیاری میں تو کسی نے تعجیل کا نہیں بتایا بلکہ اس میں راضی بہ رضا رہنے کا امر ہے۔عمل اختیاری ہے اور اس کا ثمرہ غیر اختیاری ہے پس ثمرہ جلدی چاہنا تعجیل ہوا،عمل میں جلدی کرنا نہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔پس دعا تو بے شک جلدی کرے اور اس کی قبولیت کی امید بھی کرے لیکن اس کی قبولیت نظر آنے میں جلدی کا تقاضا دل میں نہ لائے۔اس طرح ذکر تو خوب کرے لیکن اس کے ثمرات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اپنے عمل پر نہیں۔حاجی امداد اللہؒ کے پاس ایک صاحب آئے کہ حضرت سوا لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا لیکن کچھ نہیں ہوا۔حضرتؒ نے فرمایا کہ کیا یہ کچھ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوا لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

سوال: یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ تعجیل نہیں کرنی چاہیئے لیکن اگر تعجیل کسی نے کر لی تو اس سے نقصان کیا ہوا؟

جواب۔ایسا شخص اپنے شیخ پر بداعتقاد ہو جاتا ہے جس سے اس کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے۔اس وجہ سے وہ بعض اوقات اپنا حال کسی اور پر ظاہر کر دیتا ہے جس سے اس کو روحانی نقصان ہو سکتا ہے۔ہرجائی بن جاتا ہے اور کسی جگہ قابل اعتماد نہیں ٹھہرتا۔ہوتے ہوتے یہ اللہ تعالیٰ سے بھی ناراض ہو جاتا ہے اور خسر الدنیا و الآخرۃ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو برے انجام سے بچائے۔

سوال: کچھ لوگوں کی اصلاح جلدی ہو جاتی ہے اور کچھ کی بہت دیر میں۔وہ کونسے عوامل ہیں جو کہ کسی کی اصلاح میں رکاوٹ بنتے ہیں مثلاً بعض لوگ برابر خانقاہ میں آتے

ہیں اور ایک ہی جیسے معمولات ہوتے ہیں پھر بھی اصلاح کی رفتار میں فرق ہوتا ہے۔
جواب۔ بعض دفع نیت کا فتور ہوتا ہے مثلاً کوئی محض اپنی اصلاح کے لئے آتا ہے اس سے اس کا کوئی اور غرض مطلوب نہیں ہوتا جبکہ بعض پیر بننے کے لئے کوشش کرتے ہیں ۔معمولات کے علاوہ بعض لوگ پیر کے ساتھ ایسی محبت رکھتے ہیں کہ ان کو اپنی ہستی پیر کے سامنے نظر ہی نہیں آتی گویا وہ پیر میں فنا ہو جاتا ہے پس اگر اس کا پیر صحیح ہے تو اس کی اصلاح اس رفتار سے ہوتی ہے کہ جو سمجھ میں آنا والا نہیں ہوتا جبکہ دوسرے مانتے تو کسی حد تک ہیں لیکن وہ فنا نہیں ہوتے تو اس سے فرق تو پڑے گا۔اسی طرح کچھ اور عوامل بھی ہو سکتے ہیں۔وجہ کچھ بھی ہو اس کی وجہ سے اس کو اس دوسرے مرید سے حسد نہیں ہونا چاہیئے اور پیر پر بدگمان نہیں ہونا چاہیئے ۔اگر یہ دو باتیں نہ ہوں اور وہ مرید اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کر کے اصل تک پہنچا ہی دیتے ہیں چاہے تھوڑی دیر بھی ہو جائے بصورت دیگر سارا معاملہ ہی چوپٹ ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ایسی حالت سے بچائے۔

اس کے الطاف شہیدی تو ہیں مائل سب پر تجھ سے کیا بیر تھا گر تو کسی قابل ہوتا

سوال: حسن پرستی سے مراد کیا عورتوں اور امردوں کو دیکھنا ہے؟
جواب۔جی ہاں بلکہ جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع ہے ان کی طرف دیکھنا اور ان کی محبت میں مبتلا ہونا حسن پرستی ہے۔

سوال: لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے خمیر میں داخل کیا ہے تو یہ جرم کیسے ہوا؟
جواب۔جی ہاں یہ انسان کے خمیر میں ہے۔لیکن چونکہ ہم یہاں امتحان کے لیے آئے ہیں تو میلان تو ہوگا لیکن ہم ان کے ساتھ دل نہیں لگائیں گے۔سارا تصوف ہی یہی ہے کہ دل اللہ کے ساتھ لگانا یا جن کے لیے اللہ تعالیٰ حکم یا اجازت دیں۔پس میلان الی النساء والا مادہ تو جرم نہیں لیکن ان کی طرف دیکھنے، ان کے ساتھ مجالست اور مخاطبت سے احتیاط نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔اس سے بچنا ضروری ہے۔شیخ واسطیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی ذلت وخواری چاہتا ہے تو ان گندوں سڑوں کی طرف

اس کو ڈالتا ہے۔اس سے ان کی مراد امردوں سے میل جول کرنا ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر کسی کا اثر نہیں ہوتا اس لیے ہمارا مردوں عورتوں سے ملنا جلنا ممنوع نہیں۔

جواب۔شریعت کا احترام سب پر ہے چاہے اثر ہو یا نہ ہو۔حدیث شریف میں ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچو۔پس جہاں تہمت کا امکان ہو وہاں سے بچنا بھی لازم ٹھہرا۔اس سے ان بوڑھے لوگوں کی دلیل بھی ٹوٹ گئی جو بڑھاپے میں احتیاط نہیں کرتے۔کیونکہ ایک زنا ہے جو فرج کا فعل ہے وہ تو ناجائز ہے ہی لیکن ایک عورتوں اور امردوں کو دیکھنا ہے یہ نظر کا فعل ہے اور اس کو نظر کا زنا کہا گیا ہے۔بوڑھے دیکھ تو سکتے ہی ہیں۔اس سے ٹی وی اور انٹرنیٹ پر عورتوں اور امردوں کا دیکھنا بھی ممنوع ٹھہرا۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اب اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ بدنظری سے اب نہیں بچ سکتے۔کوشش کر کے دیکھا ہے لیکن کامیابی نہیں ہوتی۔

جواب۔کوشش کی ہوگی لیکن ناکافی۔کسی اللہ والے کی تربیت میں کوشش کرے انشاءاللہ ضرور فائدہ ہوگا۔اگر ان لوگوں کا کوئی معزز شخص ان کو دیکھ رہا ہو تو کیا پھر بھی یہ بدنظری کریں گے یا جن کو گھور رہے ہیں ان کے بڑے اگر دیکھ رہے ہوں تو کیا پھر بھی ان کو گھوریں گے؟ اگر نہیں تو پھر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اللہ میاں ہمیں دیکھ رہے ہیں۔اگر یہ مراقبہ کسی کا پکا نہیں تو اس کو کسی کی تربیت میں پکا کریں پھر دیکھیں کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔اگر تاریخ میں بڑے بڑے ڈاکو، عیاش اور رنڈی باز ہدایت یافتہ ہوئے ہیں تو اِن کی مایوسی کی کیا وجہ ہے؟ ہمت کرنی چاہیئے اور طریقے سے کام کرنا چاہیئے۔انشاءاللہ کامیابی یقینی ہے۔

سوال: بعض لوگ تو اس کو تداوی بالحرام (حرام کے ذریعے علاج) میں داخل کر کے جائز سمجھ لیتے ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ایسے لوگوں کے کفر کا اندیشہ ہے۔ایسے لوگوں کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیے۔آپ ﷺ نے اس صحابی کو جو دلیل دی تھی زنا سے بچنے کی وہ یہ تھی کہ جب کوئی اپنی ماں

بہن کے ساتھ زنا برداشت نہں کرسکتا تو اس طرح کسی اور کو بھی برداشت نہ کرنے کا حق ہے۔ پس جب کوئی اس چیز کو برداشت نہیں کرتا کہ اس کی ماں بہن بیٹی کو کوئی گھورے تو کسی اور کی ماں بہن بیٹی کو وہ کیسے گھور سکتا ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی ماں بیٹی کو کسی کے گھورنے پر اعتراض نہیں کرتا جیسا کہ آج کل کے جدید معاشرے میں بعض جگہ نظر آتا ہے تو کیا اس کو اجازت ہوگی کہ وہ بھی کسی کی ماں بیٹی کو گھورے؟

جواب۔ یہ مثال سلیم الفطرت لوگوں کے لیے ہے دیوثوں کے لیے نہیں۔ دیوث کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ دیوث ہے۔ اس کو تو پہلے اس سے نکالنا ہے باقی باتیں تو بعد میں ہوں گی۔ امید ہے آپ اب سمجھ گئے ہوں گے۔

سوال: اگر کوئی میں مبتلا ہو تو اس کا آسان علاج کیا ہے؟

جواب۔ اللہ والوں کے ساتھ تعلق قائم کرے۔ جیسا وہ بتائیں اسی طرح کرے۔ یہ تو ہے اصل علاج۔ باقی یہ سوچ کہ جن کو میں گھور رہا ہوں تو اگر ان کے بڑوں کو خبر ہوئی تو کتنا برا ہوگا۔ سب سے بڑھ کر کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر مجھے اس وقت موت آجائے تو یہ کیسی موت ہوگی۔ اللہ بچائے۔ یہ بدنظری ایسی بری بلا ہے کہ ہفتوں کی روحانیت کو آن کی آن میں ختم کر دیتی ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔

سوال: تصوف میں بعض طریقے سنت سے ثابت نہیں تو کیا یہ بھی مخالفت سنت میں آئیں گے؟

جواب۔ اگر وہ طریقے سنت کے ساتھ ٹکرائیں تو پھر تو مخالفِ سنت ہیں ہی البتہ جو طریقے سنت کے مطابق تو نہیں لیکن مخالف بھی نہیں یعنی شرعاً ممنوع نہیں یعنی ان کو ذرائع کے طور پر متعارف کیا گیا ہے تو جب تک ان کو ذرائع سمجھا جا رہا ہے اور ان کو مقاصد نہیں سمجھا جا رہا تو اس سے سنت کی مخالفت نہیں ہوگی۔

سوال: مشکل ہے، سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کیا آپ مثالوں سے اپنے جواب کو واضح کر سکتے ہیں؟

جواب۔ جی ہاں۔ کوشش کر سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص داڑھی نہیں رکھتا یا ایک مشت سے کم

رکھتا ہے یہ مخالفت سنت ہے اور موانع میں سے ہے۔کوئی کم داڑھی رکھ کر اپنی روحانی ترقی کی آس لگائے تو یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے لیکن ذکر بالجہر یا مراقبات کے جو طریقے سنت سے ثابت نہیں لیکن ان کو تعلق مع اللہ کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ سنت کی مخالفت نہیں بلکہ علاج ہے اور علاج میں اجتہاد جاری ہے۔

سوال: ایک صوفی کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب۔ایک صوفی کو صحابہ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے کہ صحابہ صحیح متبع سنت تھے۔اس سے ذرا بھی نہیں ہٹنا چاہیئے۔نہ صرف ظاہر میں بلکہ باطن میں بھی۔جس طرح صحابہ اپنے ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی احتساب کرتے تھے اس طرح صوفی کو بھی کرنا چاہیئے۔اتباع سنت میں ہی ترقی ہے۔حضرت نوریؒ فرماتے ہیں کہ جس کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور معیت کا ایسی حالت میں دعویٰ کرتا ہے کہ جو حد شرعی سے خارج ہے اس کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

سوال: آپ نے کہا تھا کہ شیخ کی مخالفت سے بھی طریقت میں ترقی رک جاتی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔شیخ کی اتباع تو تربیت باطنی کا بنیادی نقطہ ہے پس مخالفت شیخ کے ہوتے ہوئے روحانی ترقی کی آس کیسے لگائی جاسکتی ہے؟ حالانکہ طب ظاہر میں جس ڈاکٹر/حکیم سے علاج کیا جاتا ہے اس کے بارے میں سارے عقلاء کہتے ہیں کہ جب تک اس کی بات پر عمل نہیں کیا جائے گا تو صحت کی امید فضول ہے۔تو باطنی صحت جو کہ اس سے زیادہ لطیف اور خفی ہے، میں کیسے اپنے معالج کی مخالفت کے ہوتے ہوئے فائدہ ہوگا۔

سوال: کیا شیخ کی مخالفت سے آخرت میں مواخذہ ہوگا؟

جواب۔شیخ کی قصداً مخالفت سے تو روحانی ترقی رک جاتی ہے اس لیے جو اس راہ میں مطلوب ہے اس سے محرومی ہوجاتی ہے۔پس باطنی امراض کا علاج نہ ہونے سے آخرت کا بھی نقصان ہوسکتا ہے البتہ اگر قصداً مخالفت نہ ہو اپنی کسی غلطی کی وجہ شیخ کے دل کو مکدر کرے تو اس سے دنیا کا نقصان تو ہو ہی جاتا ہے یعنی کیفیات وغیرہ میں کمی ہوجاتی ہے جو

آگے چل کر دینی نقصان کا بھی ذریعہ ہوسکتی ہے۔

سوال: شیخ کی تعلیمات پر عمل میں سستی کرلے یا شیخ کے علم میں لائے بغیر اپنے لیے کوئی مجاہدہ تجویز کرے اس سے کیا ہوتا ہے؟

جواب۔شیخ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں سستی سے پھر وہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے جو مطلوب ہیں۔اگر شیخ کو اس سستی کی اطلاع نہ کرے تو عین ممکن ہے کہ تربیت میں زیادہ نقصان ہوجائے کیونکہ شیخ تو یہ سمجھتا ہوگا کہ میں نے جو بتایا تھا اس سے فائدہ نہ ہوا تو ممکن ہے وہ تشخیص میں غلطی کرے اور آئندہ عدم واقفیت سے مزید نقصان ہو۔شیخ کے علم میں لائے بغیر کوئی مجاہدہ کرنا ممکن ہے اس کو عدم صلاحیت کی وجہ سے اس کم مجاہدہ کی برکات سے بھی محروم کردے کیونکہ استعداد کی کمی کی وجہ سے مجاہدہ ٹوٹ سکتا ہے جس سے ہمت پست ہوکر مجاہدہ کی صلاحیت پر کاری ضرب لگ سکتی ہے۔

سوال: اگر کوئی غلطی سے غلط پیر سے بیعت کرلے تو اس کی مخالفت سے بھی یہ نقصانات ہوسکتے ہیں؟

جواب۔ایسے پیر سے تو بیعت ہونا حرام ہے اور اگر کرلے تو اس کا باقی رکھنا حرام ہے۔اس لیے غلط پیر سے بیعت کا فسخ کرنا لازمی ہے۔

سوال: لیکن ہم نے تو سنا ہے کہ

پیر من خس است اعتقاد من بس است

جواب۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ غلط کار پیر سے بھی فائدہ ہوگا۔بلکہ اس کا مطلب ہے کہ صحیح السلسلہ اور صحیح العقیدہ پیر اگر بہت زیادہ کامل نہ بھی ہو تو اس کے ساتھ حسن عقیدت اس مرید کے لیے اس کو کامل بنادیتی ہے نہ کہ بدعقیدہ یا گمراہ پیر کے لیے بھی یہ قول ہے۔

سوال: تحریروں میں تو یہ بھی ہے کہ ڈاکو پیر سے لوگ بیعت ہوئے لیکن مرید کے اخلاص کی برکت سے مرید کو بھی فائدہ ہوا اور اس کے پیر کو بھی۔

جواب۔لیکن ایسے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں اور النادر کالمعدوم کے مصداق قابل تقلید

نہیں ہوتے۔ایسے ہی واقعات کی غلط تاویلات سے ہی تو بدعقیدہ لوگوں کی دال گلتی ہے۔ اس لیے ان واقعات کا صحیح مفہوم لینا ضروری ہے جو اوپر بیان ہوا۔

سوال: اگر اپنا شیخ فوت ہو جائے تو کیا کسی دوسرے شیخ سے بیعت ہونا ضروری ہے؟

جواب۔نہیں۔اس کی ضرورت نہیں۔لیکن بعض حضرات کے نزدیک کسی اور شیخ کے ہاتھ پر جس کے ساتھ مناسبت ہو بیعت کرنا بہتر ہے۔جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ خود بیعت ضروری نہیں تربیت ضروری ہے اس لیے اگر کسی کی تکمیل ابھی نہ ہوئی ہو تو اس کو البتہ کسی اور شیخ کی طرف تربیت کے لیے رجوع کرنا چاہیئے تا کہ اس سے اپنی تکمیل کرائے۔

سوال: اگر کسی کے شیخ کے مزار پر عرس وغیرہ شروع ہو یا کسی اور بدعت کا ارتکاب ہو رہا ہو تو اس وقت کیا کرنا چاہیئے؟

جواب۔اس میں شامل نہیں ہونا چاہیئے اور اگر رسوخ ہو تو روکنا چاہیئے۔ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ عرس فی نفسہٖ برا نہیں تھا۔اس کو اچھے مقاصد کے لیے شروع کیا گیا تھا جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ کسی ولی کے متعلقین کو سال میں ایک دفعہ اس کے لیے جمع کیا جائے کہ جو مشن اس بزرگ کا زندگی میں تھا اس کی تکمیل ہو۔نیز اس شیخ کے متعلقین میں جو کاملین ہوں وہ ناقصین کی تربیت کر سکیں لیکن مفاد پرستوں نے اس کو بالکل غلط مقاصد کے لیے استعمال کیا۔اس لیے آج کل اکثر عرسوں اور میلوں میں فرق کرنا مشکل ہے۔ظلم کی بات یہ ہے کہ غلط حرکت ویسے بھی غلط ہوتی ہے لیکن اگر اس کو متبرک مقامات یا اوقات میں کیا جائے تو اس کی برائی اور بڑھ جاتی ہے۔اس لیے اولیاء کرام کے مزارات پر بدعات اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنا اور بھی سخت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی گندگی سے بچائے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں واصل ہو گیا اس سے کیا مراد ہے؟

جواب۔غیر اللہ سے دل جب منقطع ہوتا ہے اور اس میں حق کی محبت ایسی آ جائے کہ ہر معاملے میں اللہ کی طرف دوڑے، ہر مسئلے میں اسی کی طرف ذہن جائے تو اس کو واصل ہونا کہتے ہیں۔مختصر یہ کہ جس کی سورۃ فاتحہ حال بن جائے وہ واصل ہوتا ہے۔اس کا یہ مطلب

نہیں کہ ایسا واصل ہونا کہ جیسے قطرہ سمندر میں مل جاتا ہے کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں۔ یہ تو جسم کا خاصہ ہے اور جسم سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ خالق خالق ہے اور مخلوق مخلوق۔ اس کا خیال رکھنا ضروری ہے ورنہ اس کے نتائج بہت خطرناک ہیں۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم واصل ہوگئے ہیں۔ اب ہمیں عبادات وغیرہ کی ضرورت نہیں

جواب۔ ایسے لوگ ملحد ہیں اور اسلامی حکومت میں گردن زدنی ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے ایسے لوگوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا **صدقوا فی الوصول ولکن الی السقر** یعنی ان کا وصول تو سچ ہے لیکن وہ سقر یعنی جہنم کے ساتھ واصل ہوگئے۔ مراد یہ ہے کہ جہنمی ہوگئے۔

سوال: بعض حضرات کو مجتبائین کہتے ہیں۔ کیا یہ اولیاء کرام کی ایک قسم ہے؟

جواب۔ جن حضرات کو کسی مجاہدہ اور کسب کے بغیر احوال باطنی حاصل ہوجائیں یعنی ان کو رب تعالیٰ فقط اپنے فضل سے چن لیں، ان کو مجتبائین کہتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے لیکن ان کو سب کچھ حاصل ہوجاتا ہے۔

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سب برابر ہیں تو یہ تو فرق کی صورت بنتی ہے کہ کسی کو مجاہدہ کرنا پڑتا ہے کسی کو نہیں۔

جواب۔ کاش سائل کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی تو ایسا سوال نہ کرتے۔ دیکھیئے سادات کا سادات کے گھرانے میں پیدا ہونا کیا ان کے بس میں ہے؟ کیا یہ ان کی کمائی ہے؟ لیکن اہل محبت ان کی قدر کرتے ہیں یہاں تک بعض سادات ان سے ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ فرشتوں کو نفس ہی نہیں دیا۔ جنت جب خالی رہ جائے گی تو اس کے لیے ایک مخلوق پیدا کی جائے گی جو جنت میں جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ہم خالق اور مالک مان لیں تو جیسا کہ مالک کو اپنے ملک میں کسی بھی قسم کا اختیار ہوتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی ملکیت میں کسی قسم کا بھی اختیار ہے اور یہ عین عدل بھی ہوگا۔ اس طرح عمل تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے جن کو ذریعہ بنایا ہے یعنی ماں باپ۔ ان کے حقوق کتنے ہیں کوئی پورے کرسکتا ہے؟ پس

اللہ کو خالق اور مالک دل سے مان لو یہ سارے سوالات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو مجاہدے پر دیا جاتا ہے اس کی مجاہدے کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ جنت غیر محدود ہے اور ہمارا مجاہدہ محدود لہٰذا جنت سامنے ہو تو مجاہدہ نظر ہی نہیں آئے گا جیسے یہاں کوئی بڑی چیز حاصل کرنی ہو تو اس کے لیے کوئی تکلیف، تکلیف نظر نہیں آتی۔

سوال: تجلی کیا ہوتی ہے؟

جواب۔ تجلی جلاء سے ہے۔ یعنی یہ ظہور کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں استتار ہے یعنی پوشیدگی۔ تجلی کی کئی قسمیں ہیں اور ہر ایک کے آثار جدا ہیں۔ ایک تجلی ذاتی ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی ذات کی تجلی جو وجود عنصری کے ساتھ جمع نہیں ہوتی پس اگر وجود عنصری کے آثار باقی ہوں تو اس سے سالک بے ہوش ہو جاتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوئے لیکن آپ ﷺ چونکہ لامکان تشریف لے گئے تھے لہٰذا قبل الموت آپ ﷺ کو یہ خلعت عطا ہوئی۔ موت کے بعد سب مؤمنین کو جنت میں یہ نعمت نصیب ہوگی۔ **اللّٰھم اجعلنا منھم**۔ دوسری تجلی صفاتی ہے اور یہ دو قسموں پر ہے صفات جلالی کی تجلی اور صفات جمالی کی تجلی۔ اگر یہ صفات جلالی کی تجلی سالک پر ہو جائے تو اس پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اگر اس پر صفات جمالی تجلی ہو جائے تو اس کو انس و سرور حاصل ہوتا ہے۔ تیسری تجلی افعالی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر کام میں مؤثر جاننا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر مدح و ذم (اپنی تعریف اور مذمت) اور قبول و رَد (یعنی کوئی عمل قبول ہوا یا نہیں) پر نہیں ہوتی کیونکہ قبول ہونا غیر اختیاری ہے۔

چوتھی قسم کی تجلی روح کی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سالک کے اندر عجب و پندار ہوتا ہے یعنی اس کو اپنی خوبیاں نظر آتی ہیں۔

سوال: تجلی حق کا اثر کیا ہوتا ہے؟

جواب۔ تجلی حق میں سالک کو فناء اور عجز کا مشاہدہ ہوتا ہے مگر خود سالک پر عجز و فناء طاری نہیں ہوتا۔

سوال: قلب کے اندر ظلمت اور نور کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

جواب۔ ذکر و طاعت سے دل خیر و شر میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس کو اچھی باتیں اچھی لگتی ہیں اور بری باتیں بری۔ گویا کہ علم لدنی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو نور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ روشنی میں انسان چیزوں کے اندر فرق کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس غفلت اور معصیت سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ اپنے خیر و شر کو نہیں پہچانتا۔ حدیث شریف میں گناہ سے دل پر سیاہ نقطہ لگنے کا پتہ چلتا ہے جس کا استغفار سے دھلنا بھی فرمایا گیا ہے۔ یہ یہی ظلمت ہے۔ باقی جو دل کے انوارات بعض کو بعض اوقات محسوس ہوتے ہیں وہ کشف سے تعلق رکھتے ہیں وہ مقصود نہیں۔

سوال: کیا اس نور کا حاصل ہونا ضروری ہے؟

جواب۔ جی ہاں۔ یہ حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ اسی سے راستے کی رہنمائی ہوتی ہے۔ جب تک یہ حاصل نہ ہو تو کسی ایسے شخص کے پیچھے چلنا ضروری ہے جس کو یہ نور حاصل ہے۔ انسان کو راستہ دیکھنے کے لیے دو نوروں کی ضرورت ہے۔ ایک خارجی روشنی جیسے دن کی روشنی اور ایک اندر کی روشنی جیسے آنکھوں کی روشنی۔ ان دو نوروں میں سے کوئی بھی ایک نور نہ ہو تو کام نہیں چلتا۔ اسی طرح دین کا راستہ نظر آنے کے لیے ایک علم کی روشنی کی ضرورت ہے یہ خارجی روشنی کی طرح ہے اور دوسرے دل کی روشنی کی ضرورت ہے۔ زیر نظر نور ہی دل کا نور ہے۔ پس کسی کے پاس علم نہ ہو لیکن دل کی روشنی ہو تو اس کو علم کی حاجت رہے گی اور جس کے پاس علم ہے لیکن دل کی روشنی نہیں اس کو دل کی روشنی کی ضرورت ہے۔

سوال: اگر دل کی روشنی حاصل ہو تو کیا یہ علم کی کمی کو پورا نہیں کر سکتی؟

جواب۔ بہت اچھا سوال ہے۔ اس کے جواب سے کئی اور چیزیں واضح ہوں گی انشاءاللہ۔ دل کی روشنی اپنے تعلق مع اللہ کے بنیاد پر ہے۔ جتنے علوم اپنے تعلق مع اللہ کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں وہ اب بھی حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ علمِ لدنی اسی کو کہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ سنت عادیہ ہے کہ اکثر علمِ کسبی میں علمِ لدنی کو چھپا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کا

علم بہت وسیع اور عمیق ہوتا ہے اور بعض کا اتنا نہیں ہوتا۔ حضرت امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مثالیں موجود ہیں۔ گاہے بگاہے اپنی قدرت کو ظاہر کرنے کے لیے خلاف عادت بعض امیوں کو علماء سے زیادہ علم دے دیتے ہیں لیکن یہ نادر ہے اور نادر پر عمومی فیصلے نہیں ہوتے۔

اس کے برعکس شریعت کا علم نبی کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر ہوتا ہے جو بلاشبہ ولی کے علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس میں وحی متلو اور وحی غیر متلو (قرآن وحدیث) دونوں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم لدنی والے بھی علم کسبی والوں کے احترام پر مجبور ہوتے ہیں اور ان سے سیکھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اگر اپنے تعلق کی بنیاد پر سب کچھ حاصل ہوسکتا تو انبیاء کے سلسلے کی پھر کیا ضرورت ہوتی؟ انبیاء کے سلسلے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان رہنمائی میں وقت کے نبی کی اتباع کا مکلّف ہے۔

سوال: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دینی مدارس کا خانقاہوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔

جواب۔ جی ہاں کیوں نہیں۔ علم دین کی ضرورت تو صوفی کے لیے سب سے زیادہ ہے۔ صوفی کیا کرتا ہے دل سے شریعت پر عمل کی کوشش کرتا ہے۔ اب اگر اس کو شریعت کا علم نہ ہو یا ایسے لوگ نہ ہوں جن سے اس کے بارے میں پوچھ سکے تو عمل کیسے کرے گا۔ اس لیے دینی مدارس اور خانقاہوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک یہ دونوں ادارے ایک دوسرے کے پشت پناہ بنے رہیں گے دین محفوظ رہے گا۔ ان شاء اللہ، ورنہ دوسری صورت میں تباہی ہی تباہی ہے۔

سوال: بعض علماء کہتے ہیں کہ شریعت کا علم جب موجود ہو تو پھر کسی اور چیز کی کیا ضرورت ہے؟

جواب۔ ماشاء اللہ یہ بھی اچھا سوال ہے۔ اصل میں افراط وتفریط ہوتا رہتا ہے۔ پہلا سوال تصوف کے افراط سے متعلق تھا اور یہ دوسرا تفریط سے متعلق ہے۔ قران میں یہ صاف آیا ہے هُدىً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔ قرآن سے زیادہ شریعت کی کوئی اور کتاب نہیں۔ یہی شریعت کا اولین ماخذ ہے اور اس سے اخذ تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں تو کسی

اور کتاب سے کیونکر ممکن ہوگا۔اس سے ثابت ہوا کہ قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے تقویٰ کا پہلے سے ہونا ضروری ہے ورنہ اس سے ہدایت حاصل نہیں ہوگی۔یہی تقویٰ ہی تو تصوف سے مطلوب ہے۔یہ دل کا ایک عمل ہے جس پر حدیث شریف تقویٰ ھٰھنا تقویٰ ھٰھنا دال ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ تقویٰ سے دل کا نور حاصل ہوجاتا ہے اور وہ ذریعہ بن جاتا ہے ہدایت کا۔

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو قرآن سے ہدایت ہوئی تھی حالانکہ اس وقت وہ مسلمان بھی نہیں تھے۔اس طرح کئی کافر قرآن کو سن کر مسلمان ہوئے اور اب تک یہ سلسلہ موجود ہے۔کیا یہ آپ کی بات کی تردید کے لیے کافی نہیں؟

جواب۔واقعی مشکل سوال ہے۔اللہ تعالیٰ میری مدد کرے کہ میں صحیح جواب دے سکوں۔اصل میں کفار میں بھی بعض پیدائشی خوبیاں ہوتی ہیں۔جو دل کی خوبیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ان کا دل بنا ہوتا ہے لیکن ماحول نے ان کو بگاڑا ہوتا ہے۔ان کے لیے کسی ایسے نشتر کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے ماحول کو چیر کر سیدھا دل تک پہنچ جائے۔قرآن میں یہ صفت سب سے زیادہ ہے اس لیے جیسے ہی کسی ایسے آدمی تک مناسب حالات میں قرآن پہنچتا ہے تو وہ اس کے لیے اولین ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔باقی اس کو مزید ترقیات کے لیے اسی قرآن سے استفادہ کرنے کے لیے اسی چیز یعنی تقویٰ کی ضرورت پڑتی ہے جس کا اس کو حاصل کرنا ضروری ہوگا ورنہ یہ عین ممکن ہے کہ قرآن اس کو مسلمان کرے اور نفس اس کو دوبارہ کافر بنادے۔

سوال: ایسے تو بہت کم لوگ ہوں گے جن کو یہ دونوں روشنیاں حاصل ہوں۔ایسے میں کیا کرنا چاہیئے؟

جواب۔اول تو یہ بات غلط ہے کہ یہ لوگ کم ہوں گے۔اتنے بھی کم نہیں ہیں۔الحمدللہ کئی علماء کو دل کی روشنی حاصل ہے چاہے باقاعدہ سلوک طے کرکے یا اہل اللہ کے پاس رہ کر اور کئی صوفیاء کو وہ ضروری درجے کا علم حاصل ہوتا ہے جس سے وہ چوبیس گھنٹے کے اعمال

شریعت کے مطابق کر سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی کو ایک روشنی حاصل ہو تو وہ دوسری روشنی کے جلد از جلد حصول کی کوشش کرے اور اس دوران ایسے لوگوں سے رہنمائی لیتا رہے جن کو وہ روشنی حاصل ہو جو اس کے پاس نہیں ہے۔ امام شافعیؒ جو اس مقصد کے لیے ایک بدوی کے پاس جایا کرتے تھے تو کسی کے استفسار پر یہ فرمایا کہ انہوں نے وہ حاصل کیا جو ہم نے ترک کیا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے۔ اس طرح حضرت مجددؒ صاحب کا یہ ملفوظ کہ شرعی امور میں جنیدؒ و شبلیؒ کی تحقیق نہیں بلکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تحقیق چاہیئے۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

سوال: اگر علماء کرام تصوف کے کوچے میں قدم رکھنا چاہیں تو کیا ان کو خانقاہوں میں آنا پڑے گا؟ اگر ایسا ہے تو کیا مدارس کو نقصان نہیں ہوگا؟

جواب۔ تصوف کے کوچے میں قدم رکھنے کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اپنی اصلاح کی نیت اور کسی راہبر کا دامن پکڑنا۔ اگر کوئی عالم یہ دونوں چیزیں کر لیتا ہے تو اس کا خانقاہ سے ضرورت کے درجے میں تعلق قائم ہو گیا۔ اگر بالفرض اس کے خانقاہ میں آنے سے دین کا نقصان ہو تو اس کا شیخ اگر صحیح ہے تو اس کو ایسا کیوں کرنے دے گا لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا علماء کرام ہر وقت پڑھاتے رہتے ہیں یا کچھ اور بھی کرتے ہیں۔ اس کچھ اور کرنے پر کیوں اعتراض نہیں۔ آخر حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے خانقاہوں میں آنے سے کیا مدرسے بند ہو گئے یا آباد ہوئے؟ اب تو اگر دیکھا جائے تو اکثر مدارس ان ہی کے خلفاء یا ان کے سلسلے کے علماء کرام ہی کی نگرانی میں چل رہے ہیں۔

سوال: بعض صوفی کہتے ہیں کہ ہم جہاد اکبر میں مشغول ہیں ہمیں جہاد اصغر کی کیا حاجت جبکہ بعض لوگ اس کو یہ رنگ دیتے ہیں کہ صوفی کسی کا دل نہیں دکھاتا اور وہ صلح کل ہوتا ہے اس لیے صوفی کے لیے وہ جہاد کو ضروری نہیں سمجھتے۔

جواب۔ یہ سب شیطان کا دھوکہ اور اصل سے ناواقفیت ہے۔ ہر مسلمان کے لیے جن میں

صوفی بھی شامل ہیں لازم ہے کہ وہ صحابہ کے نقش قدم پر چلے۔ پس جب انہوں نے جہاد کیا تو ہم جہاد کو کیوں ترک کر سکتے ہیں۔ جہاد اکبر اصل میں نفس کے ساتھ جہاد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہر وقت ہوتا ہے اور کوئی وقت اس سے فارغ نہیں ہوتا جبکہ اصطلاحی جہاد تو کبھی کبھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ نادان بھول جاتے ہیں کہ اسی جہاد اصغر میں بھی تو یہی جہاد اکبر پورے جوبن پر موجود ہوتا ہے اس لیے اس سے کیوں غافل ہیں۔ کیا نفس کو یہ پسند ہے کہ جہاد کیا جائے، تو اگر جہاد ضروری ہو اور نفس اس کے لیے تیار نہ ہو تو نفس کی یہ مخالفت ہی اس وقت جہاد اکبر ہوگا اور اس کے تارک نفس سے شکست تسلیم کر چکے ہوں گے۔ جہاں تک صلح کل ہونے کی بات ہے تو کیا صوفی شیطان کا بھی دل نہیں دکھائے گا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ دشمنی کو لازم کیا ہے۔ جب شیطان ہمارا دشمن ہے تو جو شیطان کے پجاری ہوں گے وہ بھی دشمن ہوئے اور جہاد ان ہی کے ساتھ تو ہوتا ہے۔

سوال: کیا صوفی ملکی سیاست میں حصّہ لے سکتا ہے؟

جواب۔ کیوں نہیں بلکہ بعض کے لیے تو یہی سب سے اہم بات ہوتی ہے۔ اسلام میں سیاست سے مراد ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کی کوششیں ہوتی ہیں تو کیا کوئی اس کو غلط کہہ سکتا ہے؟ ملکی سیاست میں حصّہ لینے سے پہلے اپنی اصلاح لازمی ہے کیونکہ اس میں بڑے خطرات ہوتے ہیں ظاہر ہے اپنی اصلاح کے لیے اس کو صوفی بننا ہوگا۔ پس دینی سیاست اصل میں صوفیوں ہی کا کام ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مفتی محمودؒ صاحب یہ سب حضرات اور اس طرح کئی اور سارے صوفیاء تھے اور اپنے وقت کے بڑے سیاسی راہنما بھی تھے۔

سوال: کتابوں میں عروج و زوال کے بارے میں پڑھتے ہیں۔ اس کا کیا مفہوم ہے؟ وہاں تو زوال سے مزید ترقی مراد لیتے ہیں لیکن عام طور پر تو زوال تنزل ہوتا ہے۔

جواب۔ تصوف میں عروج و زوال کا مفہوم تھوڑا سا مختلف ہے اس لیے ذرا احتیاط کے ساتھ اس پر غور کریں۔ عروج سے مراد فناء کی کیفیت ہے جس میں سالک اپنی ذات سے

نفی کرتے کرتے تجلیات اسمائی وصفاتی کے مشاہدے میں ترقی کر رہا ہوتا ہے۔اس وقت وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس میں مزید ترقی ہو لیکن اللہ تعالیٰ کا اس مقام پر ہر سالک سے جدا معاملہ ہوتا ہے۔بعض کو تو ان ہی احوال میں مزید ترقی عطا کر کے اپنی ذات میں مستغرق کر دیتے ہیں۔اس سے پھر افاضے کے سلسلے کو جاری نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنے لیے فارغ کر دیتے ہیں۔بعض کو اس سے دوسری قسم کی ترقی عطا کر دیتے ہیں۔یہ چونکہ اپنے آپ سے تو کٹ چکے ہوتے ہیں اس لیے اپنے تو نہیں ہوتے لیکن پھر ان کو اللہ کا کر کے مخلوق کی طرف دوبارہ لوٹایا جاتا ہے۔فرق یہ ہوتا ہے کہ پہلے یہ اپنے لیے مخلوق کی طرف رجوع کرتے تھے اب یہ خدا کے لیے مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔یہ کیفیت رجوع الی الخلق، زوال کہلاتی ہے۔تو اگر چہ یہ صورتاً زوال ہے لیکن حقیقتاً ترقی ہے کیونکہ اب اس کو اپنے کام پر لگایا گیا ہے۔اسی کو بقاء بھی کہتے ہیں۔

سوال: تصوف کی کتابوں میں صحو اور سکر کا بھی بہت ذکر آتا ہے۔ان دونوں سے کیا مراد ہے؟

جواب۔صحو کہتے ہیں ہوش کی حالت کو اور سکر کہتے ہیں مدہوشی کی حالت کو۔اگر کسی صاحب کیفیت کا ہوش باقی ہے اور شریعت کے احکام ٹھیک ٹھیک بجالاتے ہیں تو یہ صاحب صحو ہیں اور جس صاحب حال کی غلبہ حال کی وجہ سے ہوش کی کیفیت نہ رہی اور شریعت کے قواعد کے خلاف ان سے کوئی عمل صادر ہوا یا کوئی بات منہ سے نکالی تو یہ صاحب سکر ہے۔ غیر مکلّف ہونے کی وجہ سے اس پر گناہ تو نہیں لیکن قابل تقلید بھی نہیں۔

سوال: کیا شطحیات انہی لوگوں کی باتوں کو کہتے ہیں؟

جواب۔جو باتیں ان سے حالت سکر میں ظاہر شریعت کے خلاف نکلیں شطحیات کہلاتی ہیں۔ان باتوں کا نہ کوئی اعتبار ہے اور نہ ان پر اس کا گناہ ہوگا لیکن جو کوئی ان کو ہوش میں صحیح سمجھ کر نقل کرے گا تو اگر وہ بات گناہ کی ہے تو اس کو گناہ ہوگا اور اگر کفر کی ہو تو اس سے کافر ہو جائے گا۔حضرت بایزید بسطامیؒ سے حالت سکر میں یہ الفاظ منہ سے نکلے تھے **سبحانی ما اعظم شانی** یعنی پاک ہوں میں میری کیا اونچی شان ہے۔حالت افاقہ

میں ان کو جب یہ بتایا تو فرمایا میں تو مجوسی ہو گیا تو بہ کی اور کلمہ پڑھا۔اب اگر کوئی شخص ہوش میں اس طرح پڑھے گا تو کافر ہو جائے گا۔

سوال: عالم خلق، عالم مثال اور عالم امر سے کیا مراد ہے؟

جواب۔اللہ تعالیٰ نے بعض مخلوقات کو مادی اور بعض کو مقداری پیدا کیا ہے۔ان کو مادیات کہتے ہیں۔تمام اجسام مادی ہیں۔بعض مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے مادہ اور مقدار سے پاک پیدا کیا ہے ان کو مجردات کہتے ہیں جن میں ارواح انسانیہ، لطائف وغیرہ آتے ہیں۔مادیات کو عالم خلق اور مجردات کو عالم امر کہتے ہیں۔عالمِ مثال ان دونوں کے درمیان ہے کہ غیر مادی ہونے میں عالمِ امر کی طرح ہے اور مقداری ہونے میں عالمِ خلق کی طرح۔عالمِ امر چونکہ مقداری نہیں اس لیے غیر محدود ہے اور یہ مادی بھی نہیں اس لیے مادیت کے ضعف سے پاک ہے اور اس لیے اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔

سوال: صوفیاء کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ مدارات کرتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ ان پر مداہنت کا الزام لگاتے ہیں۔مدارات اور مداہنت میں اصلاً کیا فرق ہے اور صوفیاء اس میں کس طرف مائل ہیں؟

جواب۔جواب سمجھنے کے لیے پہلے مدارات اور مداہنت کا فرق سمجھیں۔جہلاء کے ساتھ اس لیے نرمی کرنا کہ وہ دین کی طرف آئیں یا اہل شر سے اس لیے صرف نظر کرنا کہ ان کے شر سے محفوظ رہیں یہ مدارات کہلاتا ہے اور یہ صوفیاء کے خاص اخلاق میں سے ہے۔کیونکہ صوفیاء اسباب کے معاملے میں تجربے کو زیادہ سامنے رکھتے ہیں کہ فائدہ کس چیز سے ہوتا ہے اس لیے بعض لوگ جو خواہ مخواہ مسئلہ پہنچانے کے جوش میں بے وقت کی مصیبت سر لیتے ہیں اس سے نہ تو ان کو فائدہ ہوتا ہے جن کو وہ مسئلہ بتاتے ہیں اور نہ مسئلہ بتانے والے کو کہ طریقہ غلط ہونے کی وجہ سے الٹا مخاطب کے بگڑنے کا وبال ان پر آ سکتا ہے۔صوفیاء موقع کی تاک میں ہوتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ لوہا گرم ہے تو چوٹ لگاتے ہیں ورنہ انتظار کرتے ہیں۔عنوان دوستی کا رکھتے ہیں اور مسئلے کا حل آسان کر کے پیش کرتے

ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز پر ہو لیکن لوگوں کی ناسمجھی کے وجہ سے چھوڑ دیا ہے تو یہ نرمی چونکہ لوگوں کے دین کے لیے تھی لہٰذا مدارات کے حکم میں تھی۔اس کے مقابلے میں کوئی شخص اپنے ذاتی مفادات کے لیے حق بات کرنے سے پیچھے ہو جائے یا غیر حق کو حق کہے تو یہ مداہنت ہے، صحیح صوفیاء اس سے بری ہیں کیونکہ تصوف کا پہلا قدم للّٰہیت ہے۔ یہ نہ ہو تو پھر تصوف کیسا؟

سوال: ہمت کسے کہتے ہیں؟

جواب۔قلب کو کسی طرف اس طرح مجتمع اور یکسو کرنا کہ کسی دوسری چیز کا خطرہ نہ آئے۔ اس کو توجہ اور تصرف بھی کہتے ہیں اور اس سے بڑے بڑے کام لیے جا سکتے ہیں۔

سوال: توجہ سے کس قسم کے کام لئے جا سکتے ہیں۔

جواب۔اگر کسی کی گاڑی کھڈے میں پھنس جائے تو اس کو نکالنے کے لئے لوگ آ کر زور لگاتے ہیں اور تر جب وہ کھڈے سے نکل جاتا ہے تو پھر گاڑی خود بخود چل پڑتی ہے بالکل اسی طرح اگر کوئی بالکل چل نہ سکتا ہو تو اس کو شروع کرانے کے لئے شیخ توجہ سے کام لے سکتا ہے اور جب وہ خود چلنا شروع کرتا ہے تو اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

سوال: کیا عملیات کا تصوف کے ساتھ کوئی تعلق ہے؟

جواب۔نہیں۔کوئی تعلق نہیں۔ یہ عوام کی غلط فہمی ہے کہ عاملوں کو پیر سمجھ لیتے ہیں اور پیر کو عامل سمجھتے ہیں۔

سوال: لیکن ہم تو دیکھتے ہیں کہ بہت سارے پیر لوگوں کو تعویذ وغیرہ دیتے ہیں تو یہ کیسے؟

جواب۔اگر ایک مولوی صاحب علم دین کے ساتھ طب کا علم بھی حاصل کریں تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہر مولوی کو طب کا علم حاصل کرنا ضروری ہے؟ پس بعض مشائخ نے اگر چند عملیات بھی سیکھے ہوں اور ان کو مخلوق خدا کی خدمت کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس میں نہ تو ان کے تصوف پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی یہ تصوف کا جزو لازم ٹھہرتا ہے۔

سوال: سنا ہے کہ حضرت لاہوریؒ نے اپنی اولاد کے لیے یہ وصیت چھوڑی ہے کہ نہ تو

کیمیا میں اپنا وقت لگائیں اور نہ عملیات میں۔

جواب۔ جی ہاں ہوسکتا ہے۔ یہ حضرت کے تجربے پر موقوف ہوگا۔ عملیات میں بعض دفعہ نسبت کو نقصان ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ نسبت سلب ہو جاتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں چونکہ تصرفات ظاہر ہوتے ہیں تو ایک طرف تو لوگ ان کو مشکل کشا سمجھنے لگتے ہیں اور اگر عامل کے ذہن میں بھی اپنی بڑائی بیٹھ گئی تو پھر تو تباہی یقینی ہے۔ حضرت نے اسی خطرے کے پیش نظر اپنی اولاد کو اس سے روکا ہوگا۔

سوال: تو کیا عملیات کا حصول ٹھیک نہیں؟

جواب۔ نہیں۔ یہ نہیں کہا کہ عملیات کا حصول ناجائز ہے ہاں اس کا حصول خطرناک ہے۔ دو وجوہات سے کہ ایک تو اس کا طریقۂ حصول خطرناک ہے اور دوسرا یہ جب حاصل ہو جائیں تو ان کا نبھانا آسان نہیں لیکن اگر کوئی اس کو حاصل کرے اور اس کا صحیح استعمال کرے یعنی اگر کسی برے عامل نے کسی کو نقصان پہنچایا ہو تو اس کو اس عامل کے شر سے بچانا یہ اعلیٰ درجہ کی خدمت ہے اور اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو اس پر بڑے اجر کی توقع ہے۔ یہ ایک فن ہے جس کا اچھا یا برا ہونا اس کے حاصل کرنے کے طریقے اور استعمال پر منحصر ہے۔

سوال: بعض حضرات تو عملیات کو شرک سمجھتے ہیں تو کیا اس سے بچنا زیادہ مناسب نہیں ہے؟

جواب۔ اس کے بارے میں فوری طور پر کہنا مناسب نہیں کیونکہ عملیات کی کئی قسمیں ہیں بعض جائز، بعض مکروہ اور بعض حرام ہوتی ہیں۔

وہ عملیات جائز ہیں جس میں نہ تو عقیدہ کا فساد ہو، نہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ خلاف شرع ہو اور نہ ہی اس کا استعمال غلط ہو۔ وہ عملیات جن میں عقیدہ کا فساد لازم ہو اس کا کرنے والا ایمان سے نکل جاتا ہے مثلاً بعض عملیات میں ستاروں کا اثر مان لیا جاتا ہے، یہ شرک ہے۔ جن عملیات کے حاصل کرنے کا طریقہ شریعت کے خلاف ہو یا ان کا استعمال غلط مقصد کے لیے ہو تو وہ حرام ہیں۔ ایسے تعویذات اور عملیات جن میں جنّات اور مؤکّلات سے ندا یا استعاذہ ہوتا ہے کا مذموم ہونا سورۃ جن کی آیت نمبر 6 سے ثابت ہے۔

سوال: کسی کام کو کرانے کے لئے دعا، نماز، تعویذ، دم وغیرہ کا درجہ کیا ہے؟

جواب۔ سب سے بہتر اور مستند طریقہ تو نماز حاجت اور اس کے بعد دعا ہے۔ دوسرے نمبر پر صرف دعا ہے، تیسرے نمبر پر وظیفہ ہے، چوتھے نمبر پر دم اور آخر میں تعویذ کی باری ہے۔ عوام کے نزدیک پہلے تعویذ کی کوشش کی جاتی ہے ورنہ دم کی ورنہ وظیفے کی ورنہ دعا کی اور آخر میں نماز حاجت کا نمبر آتا ہے۔ یہ جہالت اور حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ تعویذ عموماً ان کے لئے ہونا چاہیے کہ وہ ان باقی کاموں پر قادر نہ ہوں جیسے بچے۔ کبھی کبھار حفاظتی تعویذ جس کی ہر وقت ضرورت پڑ سکتی ہے اور اس کا رکھنا مجبوری بن جاتا ہے۔ اس وقت بڑوں کو بھی تعویذ دینا مناسب ہے۔

سوال: کسی کو دعا کے لئے کہنا کیسا ہے اور کس نیت سے کہنا چاہیئے؟

جواب۔ دوسروں سے دعا کے لئے کہنے میں عاجزی زیادہ ہے اور عاجزی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ نیت یہ ہو کہ یہ مجھ سے اچھا ہے اس لئے ان کی دعا انشاءاللہ زیادہ قبول ہوگی۔

سوال: جس سے دعا کے لئے کہا جا رہا ہے وہ دعا کے لئے کہنے والے سے افضل ہوگا؟

جواب۔ یہ ضروری نہیں۔ وہ یہ سمجھ کر اس کے لئے دعا کرے کہ اس کو مجھ سے حسن ظن ہے تو امید ہے کہ اس کے حسن ظن کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کا کام کر دے اور مجھے اس میں مفت ثواب ملے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس وقت اس دعا کی اگر اس کو خود بھی ضرورت ہو تو اس دعا میں اپنے آپ کو بھی شامل کر لے تاکہ اس نعمت سے استغناء کا اظہار بھی نہ ہو اور تکبر اور عجب کا شائبہ بھی نہ رہے۔ بلکہ دعا کے لئے کہنے والے سے اپنے لئے بھی دعا کے لئے کہہ دے تو اور زیادہ مناسب ہے۔

سوال: ناجنس سے کیا مراد ہے۔ آج کل کون کونسے لوگ یا چیزیں ہو سکتی ہیں؟

جواب۔ ناجنس سے مراد یہ ہے کہ جن کی اختلاط سے روحانی نقصان ہو۔ غیر محرم سے اختلاط تو اس میں سرفہرست ہے۔ وہ لوگ بھی ناجنس میں آتے ہیں جن کے عقیدوں میں فساد ہو یا اپنے شیخ کا یا طریق کا گستاخ ہو۔

جن کے عقائد گڑ بڑ ہوں ان کی صحبت میں یہ نقصان بھی ہوسکتا ہے کہ ملنے جلنے سے ممکن ہے ان سے کسی درجے میں محبت ہوجائے جو ممنوع ہے جیسا کہ ارشاد مبارک ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَھُوۡدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوۡلِیَآءَ۔

ایسے لوگ جو متعدی روحانی بیماریاں میں مبتلا ہوں، مثلاً وہ عورتوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوں، یا مال کے بارے میں زیادہ بات کرتے ہوں یعنی ان میں ان چیزوں کی حرص زیادہ ہو۔ تو ان کی صحبت میں یہ بیماریاں لگ سکتی ہیں۔

اپنے سلسلے یا اپنے مشائخ سے جن کو بغض ہو۔ ان کے پاس بیٹھنے سے روحانی clash ہوسکتا ہے جو مبتدی کے لئے بہت مضر ہوتا ہے اس لئے اس سے بچنا لازم ہے۔

سوال: حج اور عمرہ کا انسان کی اصلاح میں کوئی کردار ہے یا نہیں؟

کیوں نہیں؟ حج اور عمرہ میں یہ بات ہے کہ ایک تو حج فرض ہے، وہ تو کرنا ہی پڑے گا لیکن اگر حج فرض کر چکا ہو اس کے بعد چونکہ اللہ پاک کی رحمت سب سے پہلے خانہ کعبہ پر اترتی ہے اور پھر اس سے پوری دنیا میں تقسیم ہوتی ہے لہٰذا جو لوگ اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں وہ زیادہ حاصل کرتے ہیں تو اگر کوئی اصلاح کی نیت سے اس کے قریب ہو تو اس کو اصلاح کا فائدہ ہوتا ہے جو برکت کی نیت سے قریب ہو تو اس کو برکت ملتی ہے۔ کوئی ثواب کی نیت سے قریب ہو تو اس کو ثواب زیادہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں قبولیت دعا کے مقامات بھی زیادہ ہیں۔ تو اس لحاظ سے بھی فائدہ ہوجاتا ہے۔ حجر اسود کی بات بھی اس طرح ہے کہ جس قلبی کیفیت کے ساتھ بھی انسان اس کے سامنے جاتا ہے تو اس کیفیت پر مہر لگ جاتا ہے۔ تو اگر کیفیت استغفار میں سامنے جائے گا تو ماشاء اللہ اس کو توبہ کی توفیق ہوجائے گی۔ اس طرح عرفات میں انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں اور انسان پر ان گناہوں کے بوجھ سے چھوٹ کر نئے سرے سے شریعت کے مطابق چلنے کا عزم کرسکتا ہے۔ روضہ اقدس پر حاضری کے وقت پر بھی گناہوں کی شرمندگی اور استغفار کی کیفیت سے حاضری اور نجات کا بڑا وسیلہ ہوسکتا ہے۔ یہ ان کئی مواقع میں سے صرف چند کا

ذکر کیا گیا ہے۔تو اس وجہ سے ان دونوں چیزوں کا اصلاح میں اپنا رول ہے۔البتہ بعض اوقات میں بعض لوگوں کے لئے دوسرے طریقے زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔

سوال: خانقاہ میں وقت لگانے کی نیت کیا ہونی چاہیئے؟اس کی کیا ضرورت ہے؟اس کو کس طرح لگانا چاہیئے؟نیز اس کے کیا فوائد ہیں؟

جواب۔آدمی جب کٹ کٹا کر ایک مقصد کے لئے یکسو ہو جاتا ہے تو صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔خانقاہ روحانی بیماریوں کا ہسپتال ہے جہاں وہ ماحول بنایا جاتا ہے جو اصلاح نفس اور اصلاح قلب کے لئے ضروری ہوتا ہے یعنی اس میں فاعلہ یعنی ذکر اذکار اور مجاہدہ دونوں کا انتظام ہوتا ہے۔باہر کی کثافتوں سے پاک کسی درجے کی خلوت بھی اس میں میسر ہوتی ہے اور اس سے بھی اچھی چیز صحبت شیخ جو کہ طریق کا اصل الاصول ہے، بھی میسر ہوتا ہے۔اس میں وقت لگانے کی نیت محض اصلاح نفس کی ہونی چاہیئے اور اس کی ضرورت یہ ہے کہ جیسے انسان بیمار ہوتا ہے تو بعض دفعہ گھر میں علاج ہوسکتا ہے، بعض دفعہ گھر میں علاج نہیں ہوسکتا تو اس کو ہسپتال میں رہنا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں خانقاہ روحانی ہسپتال کا درجہ رکھتا ہے۔اس میں پھر شیخ جو ترتیب کسی مرید کے لئے تجویز کرے، مرید اپنی تمام تجاویز کو لپیٹ کر اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے۔اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مرید اس ماحول سے روحانی طاقت پا کر خانقاہ سے باہر کی زندگی میں نسبتاً کم مجاہدے کے ساتھ زیادہ بہتر اصلاحی نتائج حاصل کرسکتا ہے۔

سوال: علماء اور بزرگوں کی بیانات میں جن باتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے ایمان جاتا رہتا ہے۔آج کل بھی اس سے ایسا ہوتا ہے یا اس سلسلے میں کسی نئے اجتہاد کی ضرورت ہے؟ کیونکہ آج کل تو ہر کس وناکس ایسی باتیں کررہا ہے؟

جواب۔اجتہاد تو نہیں البتہ بعض دفعہ تاویل کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔وہ یوں کہ دین آپ ﷺ کی زندگی میں مکمل ہو چکا ہے۔اس لئے اس میں کمی بیشی کی گنجائش تو نہیں البتہ کسی کی کوئی ایسی بات کوئی سنے تو فوراً اس کو کافر نہ قرار دیں کیونکہ بعض اوقات وہ بات اس

طرح نہیں ہوتی جیسا کہ علماء نے کتابوں میں لکھی ہوتی ہے۔اس میں اپنی سمجھ کا قصور ہوتا ہے اس لئے اس کی کوئی مناسب تاویل ممکن ہو تو کرنا چاہیئے البتہ خود ایسی باتوں سے کوسوں دور رہنا چاہیئے کیونکہ خود کو تو پتہ ہوتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور ایمان کا مسئلہ بہت ہی نازک ہے اس لئے ایسی بات کیوں کی جائے جس میں اتنا عظیم خطرہ ہو۔دنیا کے معاملے میں تو افواہ بھی اڑے کہ فلاں جگہ بم ہے تو کوئی وہاں کے قریب نہیں جاتا چاہے کوئی تسلی بھی دے دے کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔اسی پر محمول کر کے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ویسے بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ آخر میں صبح کو آدمی مسلمان ہوگا تو شام کو کافر ہوگا۔یا شام کو مسلمان ہوگا تو صبح کو کافر ہو چکا ہوگا۔س کی وجہ یہ ہوگی کہ لوگ غیر محتاط ہو جائیں گے۔وہ باتیں جو کفریہ باتیں ہیں اس کو لوگ مذاق سمجھیں گے۔سوچے سمجھے بغیر ایسی باتیں کریں گے جس سے بندہ کافر ہوتا ہے۔اس کے کہنے کے ساتھ ہی انسان کافر ہوسکتا ہے لہٰذا بے احتیاطی کی وجہ سے لوگ کافر ہو سکتے ہیں۔ایسا آج کل بھی ہو رہا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو بچانے پر زور دینا چاہیے۔اپنے ماحول کو بہتر کرنا چاہیے۔کبھی بھی اس طرح کے ماحول میں نہیں جانا چاہیے جہاں پر اس قسم کی بے احتیاطی ہو۔

سوال: اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق سے کیا مراد ہے؟ کیا مرنے کا شوق بھی اس میں داخل ہے؟

جواب۔اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق سے مراد اللہ تعالیٰ سے اچھی حالت میں ملنے کا شوق ہے۔پس زندگی کی تو قدر کرنی چاہیئے کہ اس کے ذریعے ہم یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں البتہ وہ موت جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے اچھی حالت میں ملا دے یعنی شہادت کی موت وغیرہ اس کی تمنا دل میں رکھنا چاہیئے ورنہ کم از کم اس بزدلی سے جو اللہ تعالیٰ سے دور کر دے سے بچنا تو ضروری ہے۔زندگی میں جس کا یہ منشور رہا ہو موت کے وقت اس پر محض اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق بھی غالب کر دیا جاتا ہے۔اس سے مرنے کی دہشت ختم ہو جاتی ہے۔

سوال: عورتوں کے پردے اوران کی تربیت میں کیاان پرسختی کی جاسکتی ہے؟

جواب۔ہاں مگرضرورت کے مطابق اور حکمت کے ساتھ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔اس کوتم سیدھانہیں کرسکتے۔ٹوٹ جائیں گی لیکن سیدھی نہیں ہونگی۔تواس کا مطلب ہے کہ ان کے اندر کچھ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے ساتھ گزارہ کرنا پڑتا ہے۔تواس میں یہ بات ہے کہ اگرانسان کا گزارے کے ساتھ کام ہوتا ہوتو پھرٹھیک ہےلیکن اگرکام نہیں ہوتا تو پھراس کے ساتھ محدود درجے میں یعنی حکمت کے ساتھ، کہ اگرایک دفعہ سختی کی تواس سے زیادہ الفت بھی کرنی چاہیے تاکہ تلافی ہوجائے ساتھ ساتھ رہے۔ترہیب وترغیب، دونوں چیزیں، کیونکہ عورتیں صنف نازک ہوتی ہیں اور جذبات کی بادشاہ ہوتی ہیں۔بہت زیادہ حساس۔توایسی صورتوں میں دونوں چیزیں ترغیب وترہیب ساتھ ساتھ ہونے چاہیے۔ڈراوا بھی ہونا چاہیے کہ اگر یہ کروگی تو ایسا ہوجائے گا لیکن ساتھ انعام واکرام وغیرہ بھی۔ان کے انعام زیادہ نہیں ہوتے، دوپٹہ لےلیا، جوڑا لےلیا کوئی اور چیز، جائز انداز میں جو کچھ ہوسکتا ہے۔تو کوئی اتنا زیادہ مسئلہ نہیں ہوتا۔معمولی معمولی خواہشیں ہوتی ہیں ان کی،لیکن اس کو وہ بڑا مسئلہ بنالیتی ہیں۔

سوال: بچوں کی دینی تربیت کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔پہلے اپنی تربیت پھران کی تربیت

سوال: بچوں کی دینی تربیت کے لئے ان پرکس حدتک سختی کی جاسکتی ہے؟

جواب۔جہاں تک مفید ہو۔ضرورت کے مطابق کسی جاننے والے سے مشورہ بھی کیا جاسکتا ہے۔جب تک انسان کی اپنی تربیت نہیں ہوچکی ہوتی تو وہ بچوں کی کیا تربیت کرے گا؟مثلاً بچے کو یہ کہہ دو کہ اگرکوئی مہمان آ گیااوراس نے گھنٹی بجائی تو اسے کہنا کہ کہ میرے ابوگھر میں نہں ہیں تو بچہ جا کر کہہ دے گا۔لیکن آپ نے بچے کو پیغام دے دیا کہ موقع پرجھوٹ بولا جاسکتا ہے۔آپ نے اس کی منفی تربیت کرلی۔وہ چیز تواس کے دل میں آ گئی۔انسان اپنے بچوں کے ساتھ جب بھی معاملہ کرے اس میں اپنے آپ کو

بھی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ بچوں کو ٹی وی سے منع کرو گے تو پھر آپ کو بھی ٹی وی نہیں دیکھنا ہوگا۔ بچوں کو فضول باتوں سے منع کرو گے تو فضول باتیں آپ کو بھی نہیں کرنی ہوں گی، بچوں کو جھوٹ بولنے سے منع کرو گے تو خود بھی جھوٹ سے پرہیز کرنا پڑے گا۔ تو بچوں کی تربیت میں سب سے بڑی بات یہی ہے کہ ان کی تربیت کے لئے پہلے اپنی تربیت کروانی ہوتی ہے اس کے بغیر مشکل ہے۔ اور اگر اپنی تربیت نہیں کروائی تو پھر بچوں کو کسی کے ساتھ جس کا بچوں کو پتہ ہو کہ یہ میرے ابو کی بھی تربیت کر رہا ہے اور میری بھی کرے گا تو پھر اس کو مسئلہ نہیں ہوگا۔ یعنی اسکو اس بات کا پتہ ہوگا کہ اس معاملے میں ہم دونوں پارٹنر ہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

سوال: بچوں کی ذہنی تربیت کے لئے ان پر کس حد تک سختی کی جاسکتی ہے؟

جواب: حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے، یعنی اس کو تعلیم دی جائے اور اگر دس سال کا ہو جائے تو پھر زبردستی پڑھائی جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ سختی کی حد یہ ہے کہ ایک تو وقت کا خیال رکھا جائے دوسری بات کہ سختی کے مقدار کا خیال رکھا جائے۔ ہر بچے پر ایک جیسی سختی نہیں کی جاسکتی۔ بعض بچوں کے لئے تو یہ کافی ہوتا جب اس کے سامنے کسی بچے کو مارا جاتا ہے اور بعض بچوں کو تم مار مار کر ادھ موا بھی کرلو گے تو پھر بھی ان کو فرق نہیں پڑے گا تو ہر شخص کا اپنا اپنا تاثر ہوتا ہے اس کو معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے کہ کونسا بچہ کتنا اثر لینے والا ہے۔ اس لحاظ سے کام کرنا پڑتا ہے تو اس کے لئے کوئی مستقل قانون نہیں بنائی جاسکتی۔

سوال: بیوی بچوں کے حقوق اور اپنے اصلاح میں مقابلہ آجائے تو کس کو اولیت دی جائے؟

جواب: اپنی اصلاح میں بیوی بچوں کے حقوق بھی آتے ہیں۔ یہ بھی تو اصلاح ہے اگر بیوی بچوں کے حقوق آپ پورے نہیں کرتے تو کیا اس کی اصلاح ضروری نہیں؟ لہٰذا بیوی بچوں کے حقوق کا خیال رکھنا بذات خود اصلاح کے لئے ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ آپ

اس کو اپنی اصلاح کے لئے رکاوٹ بنادیں، آپ اس کو اصلاح سمجھیں کہ یہ اصلاح ہے۔ اس میں آپ کو کچھ شارٹ کٹ کرنا پڑے گا، مثلاً آپ کو کچھ محنت زیادہ کرنا پڑے گی۔ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک، اب آپ کی اصلاح کے لئے چھٹی ہوگئی اب آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں، کیونکہ کبھی بھی بیوی بچوں کے حقوق اصلاح سے ٹکراتے نہیں، ہاں البتہ یہ کہ ان کے ناجائز مطالبات ٹکراتے ہیں، بیوی کہتی ہے کہ میرے گھر میں ٹی وی لے آؤ، تو یہ ان کا حق نہیں ہے۔ اگر آپ اس چیز سے روکتے ہیں تو یہ ان کی حق تلفی تو نہیں ہوئی۔ تو جو حق نہیں ہے اس کو حق بنانا نہیں چاہیے۔ اور جو حق ہے اس کو رکاوٹ نہیں سمجھنا چاہیئے۔

سوال: بیوی بچوں کے حقوق اگر اپنی اصلاح میں آڑے آجائیں تو کس کو ترجیح حاصل ہوگی؟

جواب۔ شریعت کا کوئی حکم اپنی اصلاح میں مخل نہیں ہوسکتا۔ اس میں مشکل مجاہدہ ہے اس پر صبر کرنا چاہیئے اور اس میں آسانی شکر کا ذریعہ ہے اور دونوں اصلاح کے اعلیٰ مراتب ہیں۔

سوال: تقلید اور غیر تقلید سے کیا اصلاح پر فرق پڑتا ہے؟

جواب۔ شیخ پر اعتراض نہ ہو، اماموں پر بدگمانی نہ ہو اور ان کے خلاف بدزبانی نہ ہو تو عدم تقلید کی گنجائش ہے البتہ محفوظ طریقہ آج کل کے دور میں تقلید کا ہی ہے۔

سوال: اعمال قلب میں قلبی فقر سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ جو مخلوق کے ساتھ ہے اس کے مقابلے میں جو خالق کے پاس ہے اس کا زیادہ طلب قلبی فقر ہے۔ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْر۔

سوال: شیطانی گناہوں اور نفسانی گناہوں میں کیا فرق ہے؟

جواب۔ شیطان ہمارے مزے اور فائدے کو نہیں دیکھتا اس کا مقصد ہمیں خدا سے دور کرنا ہے چاہے کسی بھی طریقے سے ہو، اس لئے کافر کو گناہوں میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ نفسانی گناہوں سے بھی بچاتا ہے تاکہ وہ دوسروں کے لئے کفر کی تبلیغ کا ذریعہ بنے۔ دوسری طرف نفس کو گناہ سے دلچسپی نہیں مزے اور خواہشات کو پوری کرنے سے ہے اس لئے وہ

"بغیر گناہ کے بھی ملے تو نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔ پس واضح فرق ان دونوں میں یہ ہوا کہ جو گناہ کافر اور شیطان دونوں میں پائے جائیں وہ اکثر نفسانی ہوتے ہیں کیونکہ نفس رکھنے میں کافر اور مسلمان ایک جیسے ہوتے ہیں۔

سوال: تلوین کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ ابتدا میں سالک کے قلب کے احوال بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی قبض ہوتا ہے کبھی بسط۔ کبھی سکر کبھی صحو۔ یہ لوازم سلوک میں سے ہے اور سب کے ساتھ یہ پیش آتا ہے اس لیے اس سے پریشان بالکل نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنے شیخ کے ساتھ رابطہ ہو اور شریعت پر عمل ہو تو کوئی خطرہ نہیں۔

برصراط مستقیم ہرگز کسے گمراہ نیست۔

یعنی اگر کوئی صراط مستقیم پر چل رہا ہو تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

سوال: تمکین کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ ہمیشگی کے ساتھ طاعت اور کثرتِ ذکر پر جب استقامت نصیب ہو جاتی ہے تو کسی حالتِ محمود پر سالک کو قرار آ جاتا ہے جس کو اصطلاح تصوف میں تمکین کہتے ہیں۔ اس کے بعد ماشاءاللہ تمام حقوق پورے ہوتے رہتے ہیں۔ اسی کا نام اعتدال ہے اسی توسط کی وجہ سے اس امت کا نام امت وسط ہے۔

سوال: کتابوں میں حجابات کا ذکر آتا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ اہل کشف نے فرمایا ہے کہ ہر لطیفہ میں دس دس ہزار حجابات ہیں۔ اور لطیفہ قالبیہ کو ملا کر کل سات لطائف ہیں۔ اس طرح ستر ہزار حجابات ہو گئے۔ ذکر سے ظلمت دفع ہوتی ہے اور سالک کو لطیفے کا نور نظر آ جاتا ہے جو علامت ہے اس کے حجاب کے اٹھ جانے کی۔ مثلاً شہوت اور لذت نفس کا حجاب ہے اور دل کا حجاب غیر حق پر نظر کرنا، عقل کا حجاب فلسفہ وغیرہ میں غور کرنا اور روح کا حجاب عالم مثال کے مکاشفات میں غور کرنا ہے۔ ان سب سے آدمی مستغنی رہے۔ مقصود حقیقی کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے اور غیر مقصود کی نفی کرتا

رہے۔لا کی تلوار سے غیر اللہ کو قطع کرتے ہوئے اللہ تک پہنچنا ہے۔

حجابات کے چار مرتبے بتائے جاتے ہیں مرتبہ لاہوت، مرتبہ جبروت، مرتبہ ملکوت اور مرتبہ ناسوت۔اس میں مرتبہ لاہوت اور جبروت تو غیر مخلوق ہیں جبکہ مرتبہ ملکوت اور مرتبہ ناسوت حجابات ہیں۔ان میں مرتبہ ناسوت جو عالم انسان ہے،اس کے حجابات کو حجابات ظلماتی بھی کہتے ہیں یہ حقیر ہوتے ہیں،اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی اس لیے سالک کو ان سے زیادہ نقصان نہیں ہوتا لیکن مرتبہ ملکوت جو کہ حجابات نورانی کہلاتے ہیں سالک کے لیے زیادہ امتحان ہوتے ہیں۔اس سے بچنا شیخ کامل کے بغیر بہت مشکل ہے۔

سوال: شجرہ کیا ہوتا ہے؟

جواب۔اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے دو عظیم سلسلے جاری فرمائے۔ایک کتاب اللہ اور دوسرا رسول اللہ ﷺ۔قرآن کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی حفاظت کے لیے دو نظام جاری فرمائے۔علمی حفاظت کے لیے احادیث مبارکہ کا سلسلہ جاری ہوا اور عملی حفاظت کے لیے صحابہ کرامؓ کی تربیت فرمائی۔صحابہؓ نے تابعین کی تربیت فرمائی۔انہوں نے تبع تابعین کی اور انہوں نے پھر ان کے بعد آنے والوں کی اور یہ سلسلہ اب تک چل رہا ہے۔جس طرح محدثین کرام اپنی سلسلہ حدیث کی حفاظت کا اہتمام فرماتے ہیں اسی طرح مشائخ کرام اپنی تربیت کے سلسلہ کی حفاظت فرماتے ہیں۔اسی کا نام شجرہ ہے۔

سوال: لوگ شجرہ پڑھتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب۔جس طرح تمام مخلوقات میں شیخ سالک کے لیے سب سے زیادہ مفید ہوتا ہے اس طرح اپنا وہ سلسلہ جس کے ذریعے وہ آپ ﷺ کے ساتھ ملتا ہے سالک کے لیے انتہائی مفید ہوتا ہے۔کیونکہ شیخ کا محسن اس کا شیخ اور پھر اس کا محسن اس کا شیخ ہوتا ہے۔تو جب سالک اپنا شجرہ پڑھتا ہے تو اس کے ذریعے اپنے رب سے محبت اور نسبت طلب کرتا ہے جو انتہائی مقبول دعا بن جاتی ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ سلسلہ اس کے لیے ہدایت کا وسیلہ

ہے تو یہی سلسلہ اس کے لیے رب سے مانگنے کا بھی وسیلہ ہوسکتا ہے۔

سوال: لیکن یہ تو وسیلے کی بات آئی کیا ہمارے ہاں یہ جائز ہے؟

جواب۔ جی ہاں۔ توسل بالاعمال کے تو سب قائل ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ عام ہے توسل بالاعمالِ خود اور توسل بالاعمالِ غیر کے لئے۔ پس ہم اگر اپنے اکابر کے اس تعلق جوان کو اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے رب کے ساتھ حاصل تھا اس کو اپنے لیے وسیلہ بنائیں تو رب کی طرف سے قبولیت کی قوی امید ہے اور اس میں عاجزی بھی ہے کہ اپنے اعمال کو کچھ نہیں سمجھا۔ حدیث شریف میں آپ ﷺ نے ایک نابینا کو اپنے وسیلے سے دعا مانگنے کا فرمایا تھا۔ یہ تو خود آپ ﷺ کے توسل کا ثبوت ہے اور حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے وسیلے سے دعا مانگی ہے یہ دوسرے اکابر کا وسیلہ پکڑنے کا ثبوت ہے۔ حضرت تھانویؒ نے اس پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کرایا ہے اس کو تفصیل کے لیے دیکھا جاسکتا ہے۔

سوال: آپ کا شجرہ کیا ہے؟

جواب۔ کئی طرح سے ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی کے واسطے سے ہمارا جو شجرہ ہے ان میں جو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

شجرۂ منظومہ

یا الٰہی کن مناجتم بفضلِ خود قبول — از طفیلِ اولیائے خاندانِ صابری
شاد فرما روحِ شاں از رحمت و رضوانِ خود — در جوارت دارِ ایشاں را بقربِ دائمی
طاہر و پرنور کن قلبِ مرا از فضلِ خویش — بہر اقبالِ ولی باصفا و متقی
ذکر قلبی کن عطا اے قادرِ مطلق مرا — بہر مولانا زکریا صاحب سِرِّ نبی
بہر مولانا خلیل احمد ملاذی فی غدی — ہم رشید احمد رشید باصفا و سیدی
بہر امداد و بنورُ حضرت عبد الرحیم — عبد باری، عبد ہادی عُضد الدین مکی ولی
ہم محمدی و محبّ اللہ و شاہ بو سعید — ہم نظام الدین جلال وعبد قدوس احمدی

ہم محمد عارف و ہم عبد حق شیخ جلال　　شمس الدیں ترک وعلاؤالدیں فرید جوہنی
قطب الدین وہم معین الدین وعثمان وشریف　　ہم بمَودود و ابو یوسف محمد احمدی
بو سحٰق و ہم بمشاد و ہبیرہ نامور　　ہم حذیفہ وابن ادہم ہم فضیل مرشدی
عبد واحد ہم حسن بصری علی فخر دین　　سید الکونین فخر العالمیں بشریٰ نبی
پاک کن قلبِ مرا تو از خیالِ غیر خویش　　بہر ذات خود شفائم دہ ز امراضِ دلی

سوال: کسی کو مختصر انداز میں تصوف کے بارے میں کوئی بتانا چاہے تو اس کو کیا بتانا چاہیئے؟

جواب۔تصوف امراض قلب کو دور کرنے کا طریقہ ہے جس کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔اس کے لیے شریعت کے ظاہر پر عمل کرنا ایک لازمی امر ہے۔اس میں کچھ فضائل حاصل کرنے ہوتے ہیں مثلاً صبر،شکر،رضا،توکل،اخلاص،تفویض،خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت وغیرہ اور رذائل جیسے تکبر،عجب،ریا،دنیا کی محبت،حسد ،کینہ،بدگمانی وغیرہ کو دور کرنا ہوتا ہے۔اس سے بندہ بندگی کو حاصل کر لیتا ہے اور حق اس کو قبول کر لیتا ہے جس کو نسبت اور وصول کہتے ہیں۔اس کے دو قسم کے ذرائع ہیں۔ایک مجاہدہ ہے جس میں نفس کی خواہشات کو کوشش کے ساتھ کنٹرول کرنا ہوتا ہے جس میں کم کھانا،کم سونا،کم بولنا اور جن سے ملنے جلنے سے نقصان ہو،ان سے کم ملنا جلنا زیادہ مشہور ہیں۔دوسرا فاعلہ ہے جس میں کچھ ایسی ترکیبیں ہیں جس سے انسان کے اندر چھپی قوتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ان میں ذکر،مراقبہ اور شغل سر فہرست ہیں۔ان کے علاوہ کچھ ذرائع ہیں جن سے فائدہ بھی ہوسکتا ہے لیکن ان میں نقصان کا احتمال زیادہ ہے۔ان میں تصور شیخ ،عشق مجازی اور سماع کا ذکر آتا ہے۔تصوف میں بعض ایسی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے جن کے حاصل کرنے اور حاصل نہ ہونے پر اختیار نہیں ہوتا لیکن ان میں بعض میں ضرر ہوسکتا ہے اور بعض میں ضرر نہیں ہوتا۔جن میں ضرر کا احتمال ہے۔ان میں سکر کے ساتھ وحدۃ الوجود،کشف،استغراق،تصرف،قبض و بسط،کرامت اور مشاہدہ کے بارے میں لکھا گیا ہے اور جن میں ضرر نہیں ان میں وجد،رویائے صالحہ،اجابت دعا،الہام،فناء و بقاء،سکر کے

بغیر وحدت الوجود اور فراست صادقہ کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ کچھ ایسی چیزیں ہیں جن سے ساری محنت پر پانی پھر سکتا ہے۔ ان میں حسن پرستی، ثمرات کو حاصل کرنے میں جلدی کرنا، تصنع، سنت کی مخالفت اور شیخ کی مخالفت بتایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان امور سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال: آپ کے نام کے ساتھ مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ آتا ہے یہ مسترشد کیا ہوتا ہے؟

جواب: مسترشد مرید کے لیے آتا ہے یعنی جو کسی سے ارشاد (تربیت) حاصل کرتا ہے وہ مسترشد ہے اور جس سے حاصل کرتا ہے وہ مرشد ہے۔ پس میں حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کا مرید ہوں اور حضرت میرے مرشد ہیں۔

سوال: آپ کے نام کے ساتھ خلیفہ مجاز حضرت صوفی محمد اقبالؒ بھی لکھا ہوتا ہے یہ کیا ہوتا ہے؟ اسطرح مجاز صحبت کا لفظ بھی بولا جاتا ہے کیا وہ اس سے مختلف ہے؟

جواب: کوئی شیخ جس کسی کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اب طالبین کو مرید کرسکتا ہے تو وہ اس کا خلیفہ مجاز بن جاتا ہے اور اگر صرف اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ تربیت تو کرسکتا ہے لیکن بیعت نہیں کرسکتا نیز وہ کسی کو اپنا خلیفہ مجاز یا مجاز صحبت بھی نہیں بنا سکتا تو وہ اس کا مجاز صحبت بن جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ صحبت صالح مہیا کرتا ہے اور خیر کی تلقین کرسکتا ہے اور اس سے فائدہ کی امید بھی ہوتی ہے۔

سوال: آپ کو کن کن مشائخ نے اجازت دی ہے؟

جواب: مجھے حضرت صوفی محمد اقبال مدنیؒ نے بواسطہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور بواسطہ حضرت مولانا فقیر محمدؒ چاروں سلسلوں میں، بواسطہ حضرت علی مرتضیٰؒ نقشبندی سلسلہ میں اور بواسطہ حضرت سید علی میاںؒ طریقہ قادریہ راشدیہ میں اجازت دی ہے، حضرت سید تنظیم الحق حلیمی مدظلہ نے بواسطہ حضرت مولانا فقیر محمدؒ چاروں سلسلوں میں اور بواسطہ میخ بند باباجیؒ قادریہ نقشبندیہ میں اور حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ اور میاں بشیر کاکاخیل نے بواسطہ

مولانا محمد اشرف صاحبؒ چاروں سلسلوں میں اجازت بیعت دی ہے۔حضرت عبدالرحمان صدیقی صاحب نے بواسطہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ایک خلیفہ کے چاروں سلسلوں میں اور حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کے طریقہ راشدیہ میں اجازت دی ہے ۔حضرت مولانا عبدالغفار صاحب مدظلہ بواسطہ اپنے بزرگوں کے مؤخر الذکر سلاسل میں اجازت دی ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے اس کا اہل بنا دے اور میرے بارے میں ان حضرات کا حسن ظن قبول فرمائے اور میرے عیوب کی دونوں جہاں میں ستر پوشی فرما کر مجھے معاف فرمادے اور ان حضرات کی معیت میں اپنے حبیب پاک ﷺ کی معیت میں اپنا دیدار پاک نصیب فرمائے۔مجھے سب سے بڑی خوشی اس کی ہے کہ الحمد للہ یہ اکابر انشاء اللہ اس ناچیز کی ایمان کی گواہی قیامت میں دیں گے۔اللہ تعالیٰ اس نعمت عظیم سے محروم نہ فرمائے۔

سوال: اس جواب میں آپ نے بواسطہ کا لفظ بہت استعمال کیا ہے یہ کیا ہے؟

جواب: بواسطہ سے مراد وہ نسبتیں ہیں جو ان بزرگوں کو حاصل ہیں کیونکہ جن بزرگوں کو کئی نسبتیں حاصل ہوں ان کا فرق کرنے کے لیے یہ ایک طریقہ ہے۔

سوال: آپ کے ساتھ رابطے کی کیا صورت ہے؟

جواب: میری کتابوں پر ہمارے پروگراموں کی تفصیل دی ہوئی ہے اس کو دیکھ کر جو پروگرام مناسب لگے اس میں شامل ہو کر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔موجودہ خانقاہ کا ایڈریس بھی دیا ہوا ہے۔موبائل فون کا نمبر 0300-5010542 ہے اور گھر کا نمبر 051-5470582 ہے۔ موبائل پر ٹیلیفون کا وقت شام 4 بجے سے لیکر رات 9 بجے تک (نمازوں کے اوقات اور مجالس کا خیال رکھتے ہوئے) ہے۔دوسرے ٹیلیفون نمبروں پر عشاء کی نماز کے وقت سے تقریباً گھنٹہ بعد سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد تک۔

انڈیکس

لفظ	صفحہ
ابوالحال	86
اتباع شیخ	91
اجتماعی ذکر	32
اخلاص	59
اخلاق	42,46
استتار	95
استغراق	115
الہام	70
انس	59,58
اولیاء کی اقسام	81,80
اویسی نسبت	20
بدنظری	89,88
بچوں کی تربیت	109
بدعت کی تعریف	7,8
پیر	11
تبلیغ کی تشریح	48
تجلی کی اقسام	95
تخلیہ، تجلیہ یا	9
تحلیہ	9
تزکیہ	17
تسبیحات	31
تصرف	74
تصنع	85
تصور	36
تصور شیخ	39
تصوف	4
تعجیل	86
تعویذ	105
تفویض	53
تقلید	111
تکبر	65
تلوین وتمکین	112
تواضع	51
توجہ	74
توکل	52
ثمراتِ طریقت	9
جہاد اکبر واصغر	99
حب باہ وحب جاہ	24
حب عقلی وطبعی	23
حب مال	24
حجابات	112
حرص	58
حسن پرستی	88
حقیقت	6
خانقاہ	107,97
خشوع	54
خلافت	86,17
خلوت	30
خودرائی	63
خوف	55
دم	105
دعا	105,70
ذرائع	30
ذکر بالجہر	31
رجاء	56
رذائل	35
رویائے صالحہ	20,21
ریا	92
زہد	30,60
سالک	32
سکر	37
سلاسل تصوف	11-15
سلوک کی قسمیں	41

انڈیکس

لفظ	صفحہ	لفظ	صفحہ	لفظ	صفحہ	لفظ	صفحہ
سماع	40	عروج وزوال	101	کرامت	78	منتہی	84
سیرالی اللہ	21	عشق مجازی	39	کشف	79,35	موسیقی کا حکم	40
سیرفی اللہ	21	عمرہ	106	کیفیت رضا	21	نسبت	85
شجرہ	113	عورتوں کی تربیت	109	لطائف	34	نفس	85,68
شغل	38	علم لدنی	96	مبتدی	84	واصل	21,93
شہوت	62,43	عملیات کا حکم	103	مجاہدہ	84,22	وجد	72
شرح صدر	35	غضب	44	محتبائین	94	وحدت الشھود	73
شیخ	11	غلبۂ حال	23	مجذوب	81	وحدت الوجود	73
شوق	58	فاعلہ	22	مجردات	102	وسیلہ	114
شیطانی گناہ	111	فراست صادقہ	72	محمود اعمال	9	وصول	9
صبر	47	فنافی اللہ	23	مدارات	102	یقین	36
صحو	76	فنافی الشیخ	23	مداہنت	102	یکسوئی	38
صحبت ناجنس	105	فنافی الرسول	23	مراقبہ	37	بیعت	16,92
صفات جلالی و جمالی	38	فناء الفناء	23	مرید	21	رہبانیت	29
طریقت	6	فیض	75,84	مسترشد	116	قوت عقل	44
عالم امر	102	قبض وبسط	76	مشاہدہ	77	فکر	51
عالم خلق	102	قلبی ذکر	34	معرفت	6	فناء	60
عالم مثال	102	قلبی فقر	111	مقاصد	22,96	دل کی اصلاح	68
عبدیت	60	قلندر	83	مکاشفات	23	نفس کی اصلاح	68
عجب	62	قوت علم	44	ملامتی	84	شطحیات	101
عرس	43	قوالی	72	مناسبت	14,15	نفسانی گناہ	111

مؤلف کی دیگر کتابیں اور کام

المؤذن	پاکستان کے 5000 مقامات کے لئے نمازوں کے اوقات، سحری اور افطاری کے اوقات اور قبلہ معلوم کرنے کیلئے معلومات پر مشتمل کتاب
کشفِ ہلال	رویت ہلال کے لئے جدید ترین تحقیقات پر مشتمل کتاب
میراث کا حساب	میراث کا فن صرف دو دنوں میں سیکھنے کیلئے ایک آسان کتاب اس کے پڑھنے سے میراث کے تمام سوالات حل ہو سکتے ہیں
فہم المیراث مدلل	میراث کے جزویات پر قرآن اور حدیث سے دلائل پر مشتمل کتاب۔ کہا جاتا ہے کہ ایسی کتاب اردو زبان میں پہلی دفعہ شائع ہوئی ہے
فہم الفلکیات	درس نظامی کے طلباء و طالبات کیلئے فلکیات کے موضوع پر شائع شدہ کتاب جس کے ذریعے قبلہ اور اوقات صلوٰۃ کے حسابات بھی کئے جا سکتے ہیں
فہم الریاضی	درس نظامی کے طلباء اور طالبات کے لئے مطلوب ریاضی پر مشتمل کتاب
زبدۃ التصوف	یہ مختصر مگر جامع کتاب تصوف کا نچوڑ ہے ھدیہ -/40 روپے

بیانات کی سی ڈیز

فقیر کے بیانات پر مشتمل ان CD's میں بیانات کے علاوہ میراث اور ایام ماہواری کا حساب کرنے والے سافٹ وئیرز کے علاوہ نمازوں کے اوقات اور قبلہ کی تعیین کے سافٹ وئیرز بھی شامل ہیں۔ ھدیہ 26 سی ڈیز، 700 روپے

فقیر کی مجالسِ ذکر

1. خیابان چوک بالمقابل I-10/4 خیمے والی مسجد میں ہر پیر کو بعد از نمازِ مغرب ذکر کی مجلس اور ہر جمعرات کو بعد از نماز مغرب درود شریف کی مجلس
2. جامع مسجد ابوبکر صدیقؓ پاکیزہ مارکیٹ گلی نمبر 1، I-8/4 اسلام آباد میں ہر اتوار کو بعد از نماز مغرب بیان اور مجلس ذکر
3. جامع مسجد الف دین میں ہر جمعرات کو بعد از نماز مغرب درود شریف کی مجلس (آئین ٹاون راولپنڈی میں)
4. خانقاہ امدادیہ میں ہر ہفتے کی نماز عصر سے اتوار کی اشراق تک جوڑ
5. باقی دنوں میں خانقاہ امدادیہ میں ہر روز مغرب تا عشاء درس ملفوظات شریف (حضرت تھانویؒ)
6. ہر اتوار کو دن 11 بجے خواتین کیلئے درس قرآن شریف شاہ صاحب کے گھر پر بیان (اللہ آباد ویسٹرج راولپنڈی میں مکان نمبر 593/R9 وا نمبر 10)